جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلّہ

انوارِ مدینہ

لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سیّد رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جنوری ۱۹۹۶ء

شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

پرہیزگاری پانچ چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے

کسی عالم نے کہا ہے کہ پرہیزگاری نام ہے پانچ خوبیوں کے مجموعے کا۔ ان میں سے ایک بھی اگر مفقود ہو جائے تو پرہیزگاری مکمل نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ ہیں کہ :

- اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مقدس پر اعتماد کامل ہو۔
- مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کر لی جائے۔
- عمل میں خلوص و بے غرضی کارفرما ہو۔
- مصائب و مظالم کو برداشت کر لیا جائے۔
- اور جو کچھ رزق مقسوم حاصل ہوتا ہے اسی پر قناعت کر لی جائے نہ خدا کا گلہ گزاری ہو اور نہ مقدّر کی شکوہ طرازی۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المیعاد ص ۱۴۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۴ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ ۔ جنوری ۱۹۹۶ء شمارہ : ۴

مدیر
سیّد محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے . . . . سالانہ ۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ... ” ۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش . . . . . . ” ۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ . . . . ” ۱۶ ڈالر
برطانیہ . . . . ” ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ ..... سے آپ کی مُدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ .... ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور۔ کوڈ ۵۴۰۰۰، فون ۲۰۱۰۸۶ - ۲۰۹۰۵۲

سیّد رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ———— ۳

درسِ حدیث ———— حضرت مولانا سید حامد میاںؒ ———— ۵

سیرتِ مبارکہ ———— حضرتِ اقدس مولانا سید محمد میاںؒ ———— ۸

ترانہ (دارالعلوم دیوبند) ———— مولانا ریاست علی صاحب دیوبند ———— ۲۰

مصیبتوں کے اسباب ———— حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب ———— ۲۲

علامہ ظہیر احسن شوق نیمویؒ ———— مولانا محمد ثنار الہدیٰ قاسمی ———— ۳۰

علماءِ دین کے معاشی ذرائع ———— قاضی اطہر مبارکپوری ———— ۳۴

تحفۂ اصلاحی ———— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ———— ۴۰

دارالافتاء ———— حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ———— ۵۰

حاصلِ مطالعہ ———— حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ———— ۵۵

تنقید و تقریظ ———— ۶۰

رابطہ : دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم ، اما بعد !

گذشتہ ماہ کے قومی جرائد میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق حکومت نے بھارت کو "انتہائی پسندیدہ تجارتی قوم" قرار دینے کا اصولی فیصلہ کر لیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں دونوں ملکوں کے تاجر باہم آزادانہ تجارت کر سکیں گے۔ اس فیصلہ پر پاکستان میں تاجر حضرات کا ملا جلا ردِ عمل رہا، لیکن تاجروں کی اکثریت کی رائے آزاد تجارت کی مخالفت میں ہے اور ان کے دلائل بھی بے وزن ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصل وجہ ہندو تاجر سے مرعوبیت ہے جو نہ صرف مسلمان کی غیرت و حمیت کے منافی ہے، بلکہ بجائے خود ایک مجرمانہ فعل ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہیں کہ دنیا میں اسلام کے پھیلنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ مسلمان کی صاف اور کھری تجارت تھا۔ جہاں بھی مسلمان تاجر گیا وہاں کی غیر مسلم اقوام اس کی امانت و دیانت سے متأثر ہوتی چلی گئیں اور اسلام دنیا میں پھلتا پھولتا چلا گیا، لیکن ہماری بدقسمتی کہ موجودہ دور کا مسلمان تاجر دنیا میں بدعنوانی کی ایک ایسی علامت بن چکا ہے کہ عالمی تجارت میں اس پر اعتماد و اعتبار کو خسارہ سے تعبیر کیا جانے لگا ہے جھوٹ، ملاوٹ، کم ناپ تول گویا اس کے خمیر میں شامل ہے جس کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ آج عالمی منڈی میں ہندو ہم پر حاوی ہے اور اپنے آپ کو سنبھالنے کے لیے ہم دن بدن کرنسی کی قیمت کم کرتے جا رہے ہیں، مگر اندرونی تجارت کی خامیاں دور کرنے کی طرف ہماری توجہ نہیں ہے جو کہ بیرونی تجارت کے لیے بنیاد ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے التاجر الجبانُ محرومٌ والتاجر الجسور مرزوق (کنز العمال ص۲ ج ۴)

ترجمہ : بزدل تاجر محروم رہتا ہے اور جرأت مند تاجر کو رزق عطا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں تاجر حضرات کو جرأت کی تعلیم دی گئی ہے ، لہٰذا موجودہ حالات میں تاجر حضرات کو بھارت سے آزادانہ تجارت میں بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان عمل میں آجانا چاہیئے ، کیونکہ تجارت تو دوطرفہ عمل کا نام ہے ۔ اگر انڈیا کا تاجر پاکستان سے تجارت کر سکے گا تو پاکستانی تاجر بھی انڈیا میں ایسی آزادی سے تجارتی معاملہ کرے گا اور اگر اسلامی اصولوں پر مشتمل دیانت داری سے تجارت کی گئی تو انشاء اللہ اس میں کسی صورت بھی ہمیں خسارہ نہیں ہوگا ، بلکہ اس کے نتائج ہندو کے بجائے ہمارے حق میں کہیں بہتر ہوں گے اور مقابلہ (COMP-ETITION) کی صورت میں اندرونی تجارتی خامیوں کو دُور کرنے کی ہر کسی کو خود بخود فکر ہوگی ۔ مثال کے طور پر ہمارے ملک کے بہت سے تجارتی اجارہ داروں کا یہ مزاج بن چکا ہے کہ منافع زیادہ سے زیادہ لیا جائے اور راتوں رات لکھ پتی سے کروڑ پتی بن جائیں ۔ اس ہوس نے عوام اور بالخصوص سفید پوش طبقہ کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے ۔ آزاد تجارت سے اس غیر صحت مند تجارتی مزاج کی اصلاح ہو کر قیمتوں میں اعتدال کی قوی امید ہے جس سے منافع کی شرح کم ہو کر اشیاء کی کھپت بڑھے گی ۔ عام آدمی کو آسودگی نصیب ہوگی ، یعنی قومی نقصان ہرگز نہ ہوگا البتہ ذخیرہ اندوزی اور بے تحاشا نفع کمانے والوں کی ہوس دولت گیری پر آنچ آئے گی ۔ اس لیے یہ مخصوص طبقہ اس کی مخالفت میں پورے زور شور سے سرگرم عمل ہے ۔

بھارت سے تجارت میں ہمیں بزدلی کا مظاہرہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے ، کیونکہ حدیث شریف میں اوپر گزر چکا ہے کہ بزدل تاجر محروم رہتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

درس حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور روح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالا "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

کیسٹ نمبر ۸ سائڈ اے - ۱۳ - ۳ - ۸۲ء

الحمد لله رب العٰلمين والصلٰوة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وّاٰله واصحابه اجمعين۔

اَمَّا بَعْدُ! عَنْ مَالِكٍ اَنَّ لُقْمَانَ قَالَ لِابْنِهٖ "يَا بُنَيَّ اِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ سِرَاعًا يَذْهَبُوْنَ وَاِنَّكَ قَدِ اسْتَدْبَرْتَ الدُّنْيَا مُنْذُ كُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْاٰخِرَةَ وَاِنَّ دَارًا تَسِيْرُ اِلَيْهَا اَقْرَبُ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْهَا"

حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے! جس بات کا لوگوں سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی مدت ان پر دراز ہو گئی، حالانکہ لوگ آخرت کیطرف تیزی سے چلے جا رہے ہیں۔ بیٹے جس وقت تم پیدا ہوتے تھے اسی وقت سے تمہاری پیٹھ دنیا کی طرف اور تمہارا رُخ آخرت کی طرف ہے (یعنی تم اپنی پیدائش کے دن سے گویا دنیا کو پیچھے چھوڑتے چلے آ رہے ہو اور آخرت کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہو۔) اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جس گھر اور مقام کی طرف تم جا رہے ہو وہ تم سے اس گھر اور مقام کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے جس کو تم چھوڑ کر جا رہے ہو۔

بقیہ ص ۳۴

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا:
یَا بُنَیَّ اِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَیْھِمْ مَا یُوْعَدُوْنَ
لوگوں کو ایک عرصے سے یہ بتلایا جا رہا ہے اور ڈرایا جا رہا ہے کہ قیامت میں اٹھایا جائے گا تمہیں اور حساب ہو گا۔

کیونکہ عقائد انبیاء کرام کے ایک ہی رہے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا اِتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ۔ ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کرو، تو عقائد انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو وہ نشر کرتے رہے، پھیلاتے رہے، تبلیغ فرماتے رہے وہ ایک ہی تھے۔ اس میں آخرت میں اٹھانا قیامت پر ایمان یہ ضروری جزء ہے۔ تو ایک عرصے سے پہلے ہی سے یہ چلا آ رہا ہے۔ سب انبیاء کرام بتاتے چلے آئے ہیں وَھُمْ اِلَی الْاٰخِرَۃِ سِرَاعًا یَذْھَبُوْنَ۔ یہ تعلیم ہے اور نظریہ آ رہا ہے سامنے کہ سب لوگ آخرت کی طرف تیزی سے جا رہے ہیں۔ ہر لمحہ، منٹ، گھنٹہ، دن، ہفتہ، مہینہ یہ سب ادھر ہی کی طرف جا رہا ہے۔ جیسے جیسے یہ ساعت گزر رہی ہیں تو انسان آخرت کی طرف بڑھ رہا ہے اور یہ بھی تیزی کے ساتھ ہے۔ وَاِنَّکَ قَدِاسْتَدْبَرْتَ الدُّنْیَا مُنْذُ کُنْتَ جس دن سے تو پیدا ہوا ہے اور آج تک یہ دُنیا کے تُو نے جتنے دن گزارے وہ پیچھے چھوڑ دیئے ہیں اور آخرت کی طرف رُخ ہے تیرا۔ جتنا عرصہ گزر گیا سمجھ لو کہ اتنا فاصلہ تم نے طے کر لیا اور اتنے قریب آ چکے ہو آخرت میں وَاِنَّ دَارًا تَسِیْرُ اِلَیْھَا اَقْرَبُ اِلَیْکَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْھَا۔ وہ گھر جہاں تم جا رہے ہو وہ قریب ہے تمہارے سے زیادہ، یہ گھر جس گھر سے نکل رہے ہو یہ دُور ہو گیا ہے۔

جس دن دنیا میں آئے تھے اس دن انتظامات تھے کہ پلے گا کیسے، بڑھے گا کیسے، پھر کرے گا کیا یہ سب کچھ کر چکے ہو۔ جس عرصے تک بھی گزر چکا ہے آدمی وہ دُور ہو چکا اور سچ مچ بھی دور ہو جاتا ہے لوٹ کے پھر آ نہیں سکتا۔ جو ماضی ہے وہ پھر نہیں لوٹ کر آتی تو وہ دور ہو چکا۔

تمہارا تعلق تو خدا کی ذات سے اور آخرت سے ہونا چاہیئے۔ آخرت میں کام آنے والی چیز سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اور کوئی نہیں۔ جب صرف اللہ کی ذات ہی انسان کے ساتھ رہنے والی ہے اور اسی نے اسے پیدا کیا، وجود بھی بخشا اور زندگی بھر اُسی نے سارے کام کیے تو اس ذات سے بڑھ کر کوئی ذات تعلق رکھنے کے قابل نہیں اور سب کی بہ نسبت اسی ذات سے تعلق ہونا چاہیئے، وہی کام آتی ہے آخرت

ہیں، یہاں سے آدمی جاتا ہے قبر میں بس پھر اللہ ہے اور وہ ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں اور جب خدا کی مرضی ہو، اس کی رضا ہو، خوشنودی ہو تو رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ یہی قبر جو نظر آتی ہے ہمیں کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے یہ اس کے لیے جنّت کا باغ ہے۔

ایک صحابی کو جو شہید ہوئے تھے میدانِ جنگ میں اور کوئی پسندیدہ صورت نہیں نظر آتی تھی ان کی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے کپڑے اللہ تعالیٰ نے ایسے اس کو عزیز کر دیئے ہیں کہ حوریں داخل ہو رہی ہیں۔ وہ کپڑے جو بیچارے کے ہوں گے جس طرح کے بھی ہوں گے، وہ خون میں بھی بھر گئے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ جو چیز اللہ کو پسند ہو پھر اس کا تو حال بدل جاتا ہے، کیفیّت بدل جاتی ہے۔ یہی آتا ہے حدیث شریف میں، قیامت کے دن آئیں گے شہدار تو ان کا خون جو ہو گا رنگ اس کا خون کا ہو گا، مگر اس کی خوشبو مشک کی ہو گی۔

تو اللہ تعالیٰ کی پسند ہو اور اللہ سے کسی کو تعلق ہو تو کام آنے والی ذات تو صرف ایک ہی رہ جاتی ہے باقی جتنے ہیں سب کے سب یہاں کا ایک کھیل سا ہے۔ اور کام آنے والی چیز اپنا عمل ہے جو خدا کی رضا کے لیے کیا گیا ہو۔ خدا کے یہاں مقبول ہو، پسند ہو وہ ہے۔ پھر وہاں سب کچھ میسّر آجاتا ہے جو یہاں میسر ہے غم اور بے چینی اور اندیشوں کے ساتھ وہ وہاں بلا فکر کے بلا غم اور بلا اندیشے کے انسان کو میسر ہو گی۔ ایک مسلمان کو میسر ہو گی تو وہ گھر تو آنے والا ہے اور اسی طرف جا رہے ہیں اور چل چکے ہیں اتنا جتنی گزر چکی ہے عمر اور کتنا اور چلنا ہے اس کا کسی کو بھی پتہ نہیں۔

جو مکلف اور بالغ ہو گیا اسکے بعد اس کا اور کسی کا بھی کوئی بھی بھروسہ نہیں ہوتا ہے کہ کب وہ اللہ کے پاس چلا جائے تو تعلق جو ہے وہ خدا کی ذات سے رکھو، کام آنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور کام آنے والی چیزیں اعمالِ صالحہ ہیں، اتباعِ سُنّت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو احکام پہنچے ہیں ان پر عمل کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا یہ اللہ کو پسند ہے۔ اعمال میں سب سے قیمتی ذکر اللہ ہے اور اتباعِ سنّت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا سے نوازے۔ آمین ؛

(قسط نمبر:۴۰)

تحویلِ قبلہ = انقلابِ عظیم

سب سے افضل اُمّت ــ سب سے افضل قبلہ

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
"سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

جھنڈا قوم بناتی ہے۔ کسی قوم کی قومیّت جھنڈے سے نہیں بنتی؛ البتہ جھنڈا نشانِ قومیّت بن جاتا ہے۔ جھنڈے کے رنگ یا وضع قطع کا کوئی فطری تعلق قوم کی فطرت سے نہیں ہوتا، البتہ کچھ روایات کا لحاظ وضع اور رنگ کے انتخاب کے وقت رکھا جاتا ہے، پھر وہ جھنڈا خود پیکرِ روایات اور نشانِ عظمت بن جاتا ہے۔ اس کی سربلندی یا سرنگونی قسمتِ قوم کا فیصلہ سمجھی جانے لگتی ہے۔

تقریباً یہی شان عبادت اور عبادت کرنے کے رُخ "قبلہ" کی ہے۔ عبادت یعنی بندگی، نیازمندی، عاجزی اور فروتنی کا تعلق اندرونی احساس اور قلب وضمیر سے ہے۔ نہ پورب[1] سے ہے نہ پچھم سے، نیکی اور بھلائی[2]، شرافت حسنِ اخلاق اور خوبی کردار کا نام ہے۔ نیکی یہ نہیں ہے کہ مشرق کی طرف منہ کرلیں یا مغرب کی طرف، مگر ہر ایک عبادت گزار (حتّٰی کہ وہ بھی جو مانتا ہے کہ جس کی وہ عبادت کر رہا ہے وہ کسی ایک رُخ یا کسی ایک جگہ میں نہیں ہے، وہ لامکان و لازمان ہے۔ ہر جگہ ہے اور ہر طرف ہے) عبادت کے لیے ایک رُخ مقرر کرنا ضروری سمجھتا ہے، کیونکہ جس طرح

---

[1] ارشادِ خداوندی ہے: لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ الآیۃ۔ اللہ ہی کا ہے پورب اور اللہ ہی کا پچھم جس طرف بھی رُخ کرلو وہاں اللہ ہے۔ آیت ۱۱۴ سورۃ ۲ بقرہ۔

[2] لیس البر ان تولوا (الآیۃ) یعنی نیکی (اور بھلائی) یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے پھیر لو۔ پورب کی طرف یا پچھم کی طرف ہاں نیکی اور بھلائی اور حسنِ کردار اس کا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن پر، فرشتوں پر، کتاب (وحی الٰہی) پر اور ←

کی پابندی کے لیے وقت کا مقرر کرنا ضروری ہے۔ ایسے ہی دل کے جماؤ اور توجہ کے ٹھہراؤ کے لیے بھی رُخ کا مقرر کرنا ضروری ہے اور افرادِ قوم میں یک جہتی بھی اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب سب کی عبادت ایک ہی طرح ایک ہی رُخ پر ہو۔[1]

مکہ کے مشرک اگرچہ سرِ نیاز بتوں کے سامنے خم کرتے تھے، مگر ان کے تحت الشعور یہ تھا کہ ان کا قبلہ "کعبہ" ہے۔ جس کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی تھی، جس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزندِ رشید حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کی جو ہمارے مذہبی پیشوا بھی ہیں اور خاندانی مورثِ اعلیٰ بھی۔

اہلِ شرک اور بت پرستوں کے بالمقابل اہلِ کتاب (یہودی اور نصرانی) تھے جن کا قبلہ بیت المقدس یا بیت اللحم تھا سیّدنا حضرت محمدؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم عبادت کے لیے اٹھے تو اگرچہ کعبہ کو آپ نے نظر انداز نہیں فرمایا، مگر آپ نے قبلہ اس کو بنایا جو تقریباً ڈھائی ہزار سال سے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ چلا آرہا تھا، حرم کعبہ میں آپ نماز پڑھتے تو کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر رُخ شمال کی طرف کرتے تھے، یعنی وہ قبلہ بھی آپ کے سامنے رہتا تھا جو آلِ اسماعیل علیہ السلام کا قبلہ تھا اور وہ قبلہ بھی سامنے ہوتا جو بنی اسرائیل کا قبلہ تھا، لیکن جب آپ مدینہ منوّرہ تشریف لے آئے تو یہاں یہ اجتماعِ قبلتین ممکن نہیں تھا، کیونکہ مکہ یہاں سے جنوب میں تھا اور بیت المقدس شمال میں۔ لامحالہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ڈھائی ہزار سالہ قبلہ ہی کو اختیار فرمایا، چنانچہ مسجد کی تعمیر کی تو اسی دیوار کو دیوارِ قبلہ قرار دیا جو بیت المقدس کی جانب تھی (شمالی دیوار)

لیکن سوال یہ تھا کہ اس دین کے لیے جو حق و باطل کے لیے فرقانِ عظیم ہے۔ خالص اور نکھری ہوئی توحید جس کی بنیاد ہے۔ جس کی تعلیم میں یہ قوت ہے کہ کبھی اس کے منسوخ کرنے کی ضرورت نہیں پیش آسکتی جو ابدالآباد

← نیبوں پر (پھر اس ایمان کے تقاضے کو پورا کیا کہ جبکہ مال کی ضرورت تھی کہ وہ تندرست تھا، دنیاوی زندگی کا میدان اس کے سامنے تھا، اس نے اپنی ضرورت کو پسِ پشت ڈال کر) دیا مال رشتہ داروں کو، یتیموں کو، مسکینوں کو اور مسافر کو اور سائلین کو اور گردنوں کے (چھڑانے) میں برپا کیا۔ نماز کو (پوری شان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کی) زکوٰۃ ادا کی اور وہ جو پورا کریں عہد جب عہد کرلیں اور جو صبر کرنے والے ہیں سختی اور شدّت میں اور خوف و ہراس کے وقت (آیت ۱۷۶ سورۃ ۲ بقرہ)

[1] تفسیر فخر الدین رازی رحمہ اللہ عرف تفسیر کبیر۔

تک باقی رہنے والا کامل و مکمل دین ہے اور اس کا قبلہ بھی بیت المقدس رہے جو اہلِ شرک کا قبلہ تو بیشک نہیں ہے، مگر جو اس سے وابستہ ہیں وہ خود اتحاد و یک جہتی سے محروم دو ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہودی اور عیسائی۔ ہر ایک ٹکڑی دوسرے کی تردید کر رہی ہے اور جہاں تک اخلاق و کردار کا تعلق ہے تو اخلاق و کردار میں اہلِ شرک کے ہمدوش ہیں، بلکہ کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں کہ قتلِ انبیاء کے دھبے بھی ان کے دامن پر نمایاں ہیں۔

اور اگر قبلہ بدلا جاتا ہے تو قبلہ کا مسئلہ صرف ایک رُخ کا مسئلہ نہیں، بلکہ ایک مرکز کا مسئلہ بھی ہے حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دور تک حق پرستی، توحید، دعوت الی اللہ، ہدایت، وارشاد یعنی مذہبی اور روحانی رہنمائی کا فریضہ بنو اسرائیل کے سپرد رہا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے بیشمار انعامات ان پر ہوتے رہے۔ بنو اسرائیل کا دینی مرکز بیت المقدس تھا۔ اب سوال یہ بھی تھا کہ دعوت وارشاد کی مرکزیت جس کو اصطلاحًا امامت اور خلافتِ الٰہیہ کہا جاتا ہے کیا اسی قوم کے سپرد رہے گی یا اس میں تبدیلی ہوگی۔ اگر تبدیلی ہوگی تو کیوں؟ اور تبدیلی کے بعد جس قوم کو یہ امامت سپرد ہوگی تو کیا اس کا قبلہ بھی یہی رہے گا یا اس کو بھی بدلا جائے گا اور اگر بدلہ جائے گا تو کیوں؟

ان سوالات کے جوابات عقل و قیاس یا جذبات کی منطق سے نہیں دیئے جا سکتے تھے، کیونکہ کسی فرد یا قوم کو امامتِ نوعِ انسان کا درجہ خدا ہی کی طرف سے سپرد ہوتا ہے اور یہ کہ خدا پرست پرستش کے وقت اپنا رُخ کس طرف کریں یہ بھی وہی بتا سکتا ہے جس کی خوشنودی کے لیے پرستش کی جاتی ہے، لیکن ایک سربراہ کو انقلاب کے موقع پر جب مختلف سوالات (اور خصوصًا جب ایسے سوالات درپیش ہوں جن کا تعلق خود انقلاب اور مقصد انقلاب سے ہو) جو تردد اور تشویش ہو سکتی ہے اس سے کہیں زیادہ تردد اس ہادیٔ اعظم کو درپیش تھا جو اس لیے دنیا میں آیا تھا کہ طالبانِ حق کو ہدایت وارشاد کی آخری منزل طے کرائے اور ان کے لیے ایسا راستہ متعین کر دے کہ زمانہ کی کوئی بھی گردش اس میں کجی یا ناہمواری پیدا نہ کر سکے۔ اسی لیے وہ بار بار اس سمت کی طرف نظر اٹھاتا جس سمت سے عقدہ کشائی کی توقع تھی۔ ہادیٔ برحق کے تردّد کا عکس انؓ پر بھی پڑ رہا تھا جو اس کے ساتھ اس لیے وابستہ ہوئے تھے کہ ذہنی تشویش و تردّد کو اطمینان سے بدلیں۔

لہ صحابہ کرامؓ کے تردّد اور انتظار و اشتیاق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تبدیلیٔ قبلہ کی خبر جس کو پہنچی اور جس حالت میں پہنچی فورًا عمل شروع کر دیا۔ جو صحابہ نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے نماز میں خبر سنی تو فورًا نماز ہی میں اپنا رُخ بلکہ امام سمیت پوری جماعت کا رُخ شمال سے جنوب کو یعنی بیت المقدس کی جانب سے قبلہ کی سمت کو کر لیا۔ (بخاری شریف وغیرہ)

اور وہ نور حاصل کریں جو نہ صرف دنیا کی تاریکیوں میں، بلکہ ظلماتِ محشر میں بھی اُن کے لیے شمعِ راہ ہو۔

اشارے

چند سال پہلے محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرفِ اعظم حاصل ہو چکا تھا جو نہ صرف نوعِ انسان، بلکہ حق یہ ہے کہ پوری کائنات میں نہ آج تک کسی کو میسر آیا تھا نہ آئندہ آنے والا تھا۔ یعنی آپ شبِ معراج میں اس بلند ترین مقام تک پہنچ چکے تھے جہاں تک نہ کسی نبی مرسل کی رسائی ہوئی تھی نہ کسی مَلکِ مُقرب کی۔ جبرئیل امین علیہ السلام اس سے بہت نیچے درماندہ رہ کر یہ معذرت کر چکے تھے،

اگر یک سر موئے بالا پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اس عروج و سیر میں آپ نے بیعت معمور ملاحظہ فرمایا تھا جس کے گرد ہر روز ستّر ہزار فرشتے مصروفِ طواف ہوتے ہیں[1]۔ وہیں بانی ملت حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی کہ آپ بیعتِ معمور سے تکیہ لگائے بیٹھے ہیں[2]۔ اسی سیاحتِ قدسی میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر عرشِ معلّٰی کی اسی سیاحت سے واپسی میں یہ ہوا تھا کہ جب بیت المقدس میں نزولِ اجلال ہوا تو تمام انبیاء اور مرسلین صف آراستہ ہوئے اور امامت کے لیے اسی سید الثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگے بڑھایا گیا[3]۔

پنج وقتہ نمازوں کا قبلہ یہ بیت المقدس ہو جہاں مسجدِ اقصیٰ ہے جو ایک گزرگاہ ہے، عرشِ بریں پر جانے والے کا۔ یا وہ کعبہ ہو جو نقطۂ محاذات ہے اس بیتِ معمور کا جس کا طواف ملائک کے جھمگٹ ہر وقت کرتے رہتے ہیں جو تکیہ گاہ ہے ابراہیم خلیل اللہ کا (علیہ وعلیٰ نبیّنا الصّلوٰۃ والسلام)

اس طرح کے مشاہدات اشارہ کر رہے تھے کہ امام الانبیاء اور اس کی اُمّتِ خیرالامم کا قبلہ خانہ کعبہ ہونا چاہیئے، مگر جہاں نص صریح اور قطعی فیصلہ کی ضرورت ہو، وہاں اشاروں کو کافی نہیں سمجھا جا سکتا۔ البتّہ یہ اشارے قطعی فیصلہ اور امرِ واضح کی توقع ضرور دلا سکتے تھے اور یہ توقع اشتیاق اور یہ اشتیاق اضطراب بن سکتا تھا۔ اگر انتظار طویل ہوتا۔

یہی اشتیاق و انتظار تھا جس کی وجہ سے آپ بار بار اس سمت کو نظر اٹھاتے تھے۔ جہاں سے مراد پوری ہونے کی توقع تھی۔ بالآخر انتظار ختم ہوا جب ہجرت سے سوا سال بعد فرمانِ خداوندی نازل ہوا۔

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔

---

[1] جن کا دوبارہ کبھی نمبر نہیں آتا۔ (بخاری و مسلم حدیث معراج) [2] مسلم شریف [3] البدایہ والنہایہ ص۱۱۳ ج ۳

ہم دیکھ رہے ہیں کہ (حکم الٰہی کے شوق وطلب میں) تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ رہا ہے، تو یقین کرو، ہم عنقریب تمہارا رُخ ایک ایسے قبلہ کی طرف پھیر دینے والے ہیں جو تم چاہتے ہو اور اب (کہ اس معاملہ کے ظہور کا وقت آگیا ہے) تو چاہیئے کہ اپنا رُخ مسجد حرام (خانۂ کعبہ) کی طرف پھیر لو۔ اور جہاں کہیں بھی تم ہو (نماز کے وقت) اسی طرف رُخ پھیر لو۔ (آیت: ۱۴۴)

وجوہات

رَبّ المشرقین والمغربین، خالق السمٰوت والارض، رَبّ العرش الکریم کے کسی حکم کے متعلق وجہ دریافت کرنا بے ادبی ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر اس سے باز پُرس نہیں کی جا سکتی) اور جبکہ مشرق و مغرب اسی کا ہے اور ہر جگہ اور ہر سمت میں اس کا جلوہ یکساں ہے تو بلا شبہ اس کو اختیار ہے کہ قبلہ کے لیے جو سمت چاہے مقرر کر دے۔ چون وچرا کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے، لیکن یہ حکم جس کے پانچ کلمے ہیں وَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ ایک انقلاب انگیز فیصلہ بھی ہے جو تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ کی پوری شان اپنے اندر رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ امامتِ عظمٰی اور خلافتِ الٰہیہ کا منصب جس پر تقریبًا ڈھائی ہزار سال سے بنو اسرائیل فائز تھے اب وہ ان سے چھن کر بنو اسمٰعیل کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ وہی احکم الحاکمین جس کی بارگاہِ عظمت تک کسی باز پرس کی رسائی نہیں ہو سکتی اپنی شان یہ بیان فرماتا ہے کہ "ذرہ برابر بھی ظلم اس سے صادر نہیں ہوتا"[1]

ناممکن اور محال ہے کہ جو رب ہے پالنے پوسنے والا ہے وہ اپنے ہی پیدا کیے ہوئے بندوں پر کوئی ظلم کرے[2]

بلاشُبہ اس کی شان یہ ہے کہ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ (جس کو تو چاہے عزت دے اور جس کو تو چاہے ذلت دے۔) مگر اس مطلق العنان قدرت کے باوجود اس نے قوموں اور اُمتوں کی ذِلت و عظمت کے لیے یہ ضابطے مقرر کر دیئے۔

(الف) جس قوم کو جو نعمت وہ عطا فرما دیتا ہے وہ اس میں انقلاب اور تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ قوم خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے (آیت ۵۳ سورۃ ۸ الانفال) (اور اپنی عظمت آفرین خصوصیات کو ختم نہ کر دے)

---

[1] آیت نمبر ۴۰ سورۃ نمبر ۴ النساء [2] وما ربك بظلام للعبید آیت ۴۶ سورۃ ۴۱ حٰم سجدہ۔

عروج کے بعد زوال اس ضابطہ کے بموجب ہوتا ہے اور ترقی کے لیے ضابطہ یہ ہے۔

(ب) جو حالت کسی قوم کی ہوتی ہے وہ قادر ذوالجلال اس میں تبدیلی نہیں کرتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ کرے۔ (آیت ۱۰ سورۃ ۱۳ رعد)

بہرحال ربِّ ذوالجلال نے اپنی شان اور اپنے ہی منظور فرمودہ ضابطہ کا یہ احترام فرمایا کہ اس انقلاب آفرین حکم کی وجوہات بیان فرمائیں اور اس تفصیل سے بیان فرمائیں کہ شاید کسی اور حکم کی وجوہات اس تفصیل سے بیان نہیں فرمائیں۔

آپ قرآن مجید کی تلاوت شروع کیجیے۔ سب سے پہلے آپ سورۂ فاتحہ پڑھیں گے جو نرالے رنگ کی حمد و ثنا ہے۔ جس میں بندوں کو نہایت جامع دعا کی تلقین بھی ہے۔ اور عبرت آموز سبق بھی۔ پھر وہ سورت شروع ہوتی ہے جو قرآن پاک کی سب سے بڑی سورت ہے۔

اس میں مقصدِ قرآنِ حکیم کی وضاحت کے بعد ان تین جماعتوں کا ذکر اور ان کے کردار کا بیان ہے جو کسی بھی تحریک کے برپا ہونے پر ظہور پذیر ہو جاتی ہیں۔ یعنی (۱) ماننے والے (۲) کھلے ہوئے مخالف اور منکر (۳) وہ اغراض پرست بزدل جن کے دلوں میں انکار بھرا ہوتا ہے اور ظاہر یہ کرتے ہیں کہ "موافق" اور فرمانبردار ہیں۔ اس کے بعد عبادتِ رب کی ہدایت ہے اور اس رسول کا ذکر ہے جو طریقۂ عبادت کی تعلیم دے رہا ہے۔ جس کی تصدیق کے لیے وہ معجزہ پیش کیا گیا ہے جس کا نام قرآن ہے۔ پھر نوعِ انسان کی حیثیت بیان فرمائی گئی ہے کہ اس کو زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت عطا ہوئی۔ اس کی شان ملائک سے بھی بلند ہے۔ اب خلافت اور امامت کا ذکر شروع ہوا تو بنو اسرائیل کو یاد دلایا گیا ہے کہ یہ نعمتِ عظمیٰ ان کو عطا ہوئی تھی۔

یہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۴۰ ہے۔ یہاں سے سورۂ بقرہ کا پانچواں رکوع شروع ہوتا ہے۔ اس آیت سے لے کر آیت نمبر ۱۲۳ تک جو پندرہویں رکوع کے شروع میں ہے بنو اسرائیل ہی کا تذکرہ[1] ہے۔ ان آیات میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کے انعامات شمار کرائے گئے ہیں جو بنو اسرائیل کو وقتاً فوقتاً عطا ہوتے رہے۔ دوسری جانب اس کا تذکرہ ہے کہ باری تعالیٰ کے ان انعامات کو بنو اسرائیل نے کس طرح (معاذ اللہ) پامال کیا اور کس طرح ان کی دھجیاں بکھیریں۔ ان تمام جرائم کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ یہاں صرف ان جرائم کے عنوان

---

[1] یعنی تراسی آیتوں میں جو دس رکوع میں پھیلی ہوئی ہیں۔

پیش کیے جا رہے ہیں جو اپنے اندر خاص اہمیت رکھتے ہیں جو ان تراسی[۸۳] آیتوں میں شمار کرائے گئے ہیں۔

(۱) اللہ سے جو عہد[۱] کیا تھا اس کو توڑ ڈالا۔ اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا۔ (آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

(۲) حیلہ بازی اور ٹال مٹول (آیت ۶۵ - ۶۶)

(۳) قبولِ حق سے گریز اور اس پر فخر (آیت ۸۷ تا ۹۳)

(۴) سنگ دِلی (آیت ۷۴، ۸۸)

(۵) کج بحثی (آیت ۶۸، ۶۹)

(۶) نسلی حسد (آیت ۸۹، ۹۰، ۱۰۹)

(۷) پوری ڈھٹائی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پامال کرنا (آیت ۸۴، ۸۵)

(۸) داعیانِ حق سے عناد (آیت: ۸۷) ان کا مذاق بنانا (آیت: ۱۰۴)

(۹) احکامِ خداوندی کو فروخت کرنا (آیت ۴۱، ۷۹)

(۱۰) عقائد میں تحریف[۲] (آیت ۸۰، ۱۱۱)

(۱۱) احکامِ خداوندی میں تحریف[۳] (آیت: ۷۵)

(۱۲) موت سے گریز، دنیاوی زندگی کی شدّتِ حرص (آیت: ۹۶)

(۱۳) گوسالہ پرستی (آیت: ۹۲)

(۱۴) خدا کے بیٹا ماننا[۴] (آیت: ۱۱۶)

(۱۵) انبیاء علیہم السلام کو قتل کر ڈالنا۔ (آیت ۶۱، ۹۱)

---

[۱] طاعتِ الٰہی اور ایمان بانبیاء کا عہد۔ توریت میں بھی اس عہد کا ذکر جا بجا ہے۔ مثلاً تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند میرا خدا ہے اور میں اس کی راہوں پر چلوں گا اور اس کے شرعوں اور اس کے حقوق اور اس کے حکموں کی محافظت کروں گا اور اس کی آواز کا شنوا ہوں گا۔ فقرہ ۱۸ باب ۲۶ (استثناء)

[۲] تم نے زندہ خدا رب الافواج کی باتوں کو بگاڑ ڈالا ہے۔ یرمیا باب ۲۳ فقرہ ۳۶

[۳] جو اپنی زبان استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فرماتا ہے۔ یرمیا باب ۲۳ فقرہ ۳۱، ۳۲۔

[۴] یہود اور نصاریٰ دونوں ہی نے خدا کا بیٹا مان لیا تھا۔ یہود نے حضرت عزیرؑ کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو۔

(۱۶) جادو اور کہانت　(آیت ۱۰۲ ، ۱۰۳)

(۱۷) گروہ بندی اور گروہ بندی کے ساتھ جنّت کی ٹھیکہ داری کہ یہود کہتے تھے کہ جب تک انسان یہودی گروہ بندی میں داخل نہ ہو نجات نہیں پا سکتا اور عیسائی کہتے تھے کہ جب تک عیسائی گروہ بندی میں داخل نہ ہو جنّت میں نہیں جا سکتا۔ (آیت ۱۱۱)

قرآن پاک کی محولہ بالا آیتوں میں ان جرائم کو شمار کرایا گیا ہے۔ پھر ان کی مثالیں اور شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اب ایک قدرتی سوال ہے کہ جس قوم کا یہ کردار ہو چکا ہے کیا وہ اس کی اہل ہے کہ منصب امامت کی حامل رہے اور اس کے قبلہ کو نوعِ انسان اور دینِ کامل کا قبلہ قرار دیا جائے۔ اور اس میں تبدیلی نہ کی جائے۔ کلام اللہ کی نظر میں تبدیلی صرف مناسب ہی نہیں ہے، بلکہ اتنی ضروری ہے کہ اس پر اعتراض وہی کر سکتے ہیں جو فہم و بصیرت سے محروم اور مضحکہ انگیز نادانی (سفاہت) میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ تبدیلی قبلہ کے حکم کی تمہید اس طرح فرمائی گئی ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا۔

(آیت : ۱۴۲)

جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے کس بات نے ان (مسلمانوں) کو ہٹا دیا اُس قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رب ابراہیمؑ کا وعدہ اور بنو اسرائیل کی محرومی کا سبب

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت اور ان کی عظمت بنو اسرائیل میں بھی مسلم تھی اور بنو اسمٰعیلؑ میں بھی۔ دونوں[1] ان کو اپنا مورثِ اعلیٰ مانتے تھے۔ قرآنِ حکیم یہود کے جرائم شمار کرانے کے بعد خاتمہ کلام پر پھر یاد دلاتا ہے کہ

" اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمتیں جو مَیں نے تم کو بخشیں اور مَیں نے تم کو دنیا جہان والوں پر فضیلت دی۔" (آیت : ۱۲۲)

---

[1] برہمن جس برہما کی تعظیم کرتے ہیں کیا عجب ہے وہ ابرہم یا ابراہام ہی ہو۔ عربوں نے اگر ابراہام کا ابراہیم کر لیا ہے تو اتنی تبدیلی کا حق تو بھارت کے آریوں کو بھی ہونا چاہیئے کہ وہ ابرہم کا برہم یا برہما کر لیں جیسے آرین کو آریہ کر لیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اس یاددہانی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسمِ گرامی لے کر وہ بشارت یاد دلاتا ہے جو حضرت حق جلّ مجدہٗ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی۔

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ (آیت ۲۳ سورۃ نمبر ۲ بقرہ)

پھر یاد دلاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دریافت کیا کہ کیا یہ شرف میری اولاد کو بھی میسّر آئیگا تو بتا دیا گیا تھا۔

لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (آیت ۱۲۴) (نہیں پہنچتا میرا اقرار نافرمانوں کو)

(یعنی جو ظلم و معصیّت کی راہ اختیار کریں ان کا میرے اس عہد میں کوئی حصّہ نہیں ہے)

اس صغریٰ اور کبریٰ کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنواسرائیل خود اس بشارت کے بموجب جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی اس کے مستحق ہیں کہ ان کو منصبِ امامت سے معزول کر دیا جائے، کیونکہ وہ ظالم ہیں اور ظالم بھی ایسے کہ ان جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں جن کو گزشتہ ۸۳ آیتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

اب مستحق شرف کون

قرآنِ حکیم یاد دلاتا ہے کہ ایک "بیت" خانہ وہ ہے جس کو شروع ہی سے "مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا" بنایا گیا ہے (تمام انسانوں کا مرجع اور مرکز امن و حریّت کا مقام)

اس بیت سے متعلق ہدایت کر دی گئی تھی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاھِیْمَ مُصَلًّی (آیت ۱۲۵) ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ بنالو۔

اس بیت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا تھا اور حضرت ابراہیم اور ان کے فرزندِ ارجمند اسمٰعیل کو حکم دیا تھا۔

طَھِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰکِفِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ (آیت: ۱۲۵)

تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے۔

پھر فرقانِ حمید یاد دلاتا ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام) جب اس بیت کی بنیادیں (جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی تھیں) بلند کر رہے تھے تو ان کے دلوں کی گہرائیوں سے ان کی زبانوں پر یہ دعا بھی جاری تھی۔

اے پروردگار ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو۔ بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کا سننے والا اور (مصالحِ عالم) کا جاننے والا ہے۔ اے پروردگار (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق دے کہ ہم سچے مسلم (تیرے احکام کے فرمانبردار) بن جائیں اور ہماری نسل سے بھی ایسی امّت پیدا کر جو تیرے حکموں کی فرمانبردار ہو۔ خداوندا ہمیں ہماری عبادت کے طور و طریق بتادے اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما اور اپنی عنایت سے نواز، بلاشبہ تیری ذات ہے جس کے درگذر کرنے کی کوئی انتہا نہیں جو رحم کرنے والی ہے۔ (آیت : ۱۲۷، ۱۲۸)

اسی سلسلہ میں ان کی دعا یہ بھی تھی۔

اے ہمارے رب! (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ اس بستی کے بسنے والوں میں تیرا ایک رسول پیدا ہو جو انہیں میں سے ہو۔ وہ تیری آیتیں پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔ کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور اپنی پیغمبرانہ تربیت سے ان کے دلوں کو مانجھ دے۔ (آیت : ۱۲۹)

اس کے بعد کلامِ الٰہی تنبیہہ کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا مسلک تھا

(۱) توحیدِ خالص۔ خدا واحد کی پرستش۔ جس میں کسی طرح کے شرک کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ (آیت ۱۳۲)

(۲) سپردگی اور فرمانبرداری۔ یعنی اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دینا اور اس کے احکام کی پوری طرح تعمیل کرنا۔ (آیت : ۱۳۱)

یہی توحید خالص اور تسلیم و رضا تھی۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "امام النّاس" بنایا اور یہی نعمت بنو اسرائیل کو عطا ہوئی تھی، جس کی وجہ سے ان کو عالمین (دنیا جہان) پر فضیلت بخشی گئی تھی۔

ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اسی مسلک کی وصیّت اپنی اولاد کو کی تھی، ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں جس قدر نبی آتے سب نے اسی مسلک کو مضبوطی سے اختیار کیا۔ یہ تمہاری دھڑے بندی جس کا نام یہودیت اور نصرانیت ہے ان سب انبیاء علیہم السلام کا دامن اس سے پاک رہا (آیت : ۱۴۰) تمہاری اسی دھڑے بندی کا نتیجہ ہے کہ کسی نبی کو مانتے ہو، کسی کو نہیں مانا یہاں تک کہ قتل بھی کر دیا۔ اسی دھڑے بندی نے تم کو منصبِ امامت سے محروم کیا۔ درجہ افضلیّت سے نیچے گرا کر ذلّت و مسکنت کے گڑھے میں ڈالا۔ غضب الٰہی کو تمہاری گردنوں کا طوق بنا دیا۔

آج سب سے افضل وہ ہے جو اس دھڑے بندی سے بالا و برتر ہو کر مسلک ابراہیمی کو مضبوطی سے

سنبھالے۔ خدا واحد کا پرستارِ حقیقی بن کر اپنے آپ کو خدا کے حوالہ کر دے۔

آج یہ شرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امّت کو حاصل ہے۔ لہٰذا وہی افضل النّاس اور اُمّتِ وسط ہے اور اسی افضلیت کی بناء پر یہ فیصلہ بھی کیا جارہا ہے کہ اس کا قبلہ وہ ہوگا جس کی حرمت و عظمت عہدِ قدیم سے چلی آرہی ہے جس کے معمار ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام تھے۔

ترجمہ : پس منظر پر آپ نظر ڈال چکے۔ اب ان آیتوں کا مضمون مطالعہ فرمائیے جن میں تحویلِ قبلہ کا حکم ہے۔ جس کا یہ پس منظر تھا۔

جو لوگ عقل و بصیرت سے محروم ہیں وہ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے کیا بات ہوئی کہ اُن کا رُخ اس سے پھر گیا۔ (اے نبی) تم کہو پورب ہو یا پچھم سب اللہ ہی کے لیے ہے (وہ کسی خاص مقام یا جہت میں محدود نہیں) وہ جس کسی کو چاہتا ہے سیدھی راہ چلا دیتا ہے۔

اور (اے مسلمانو! جس طرح یہ بات ہوئی کہ بیت المقدس کی جگہ خانہ کعبہ قبلہ قرار پایا) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے تمہیں امۃ وسط (نیک ترین، عادل اور معتدل) اُمّت بنا دیا، تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر (یعنی ایک بہتر نمونہ اور معیار کہ نوعِ انسان کی ہر امّت کو اسی سانچے میں ڈھلنا اور اسی معیار پر اترنا چاہیئے) اور رسول گواہ رہیں تم پر (وہ تمہارے لیے نمونہ اور معیار ہیں کہ امّتِ اسلامیہ کو اس معیار پر پورا ہونا اور اس سانچہ میں ڈھلنا چاہیئے) اور ہم نے تمہیں اس قبلہ پر جس کی طرف تم رُخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اسی لیے رکھا تھا کہ (وقت پر) معلوم ہو جائے کہ کون لوگ واقعی (اللہ کے) رسول کی پیروی کرتے ہیں اور کون الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں۔ یہ حکم بہت گراں (اور سخت آزمائش کا حکم ہے) مگر ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے راہ دکھا دی ہے (اور وہ اطاعتِ رسُول کے ذوقِ سلیم سے بہرہ ور ہیں۔) اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے ایمان کو (کہ جو نمازیں بتقاضائے ایمان باللہ و ایمان بالرسول بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھیں ان کو بے کار قرار دے) بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا شفیق ہے (خصوصاً ان پر جنہوں نے اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کوئی کام کیا اور تبدیلی قبلہ کے متعلق اس کا یہ حکم بھی سراسر شفقت

---

[1] یعنی سپردگی اور حکمِ خدا کی تعمیل کے لیے سرتاسر اطاعت بن جانا جو ملّتِ ابراہیم کی خصوصیت ہے۔ کس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ کس میں نہیں پائی جاتی۔ (واللہ اعلم)

ہی ہے) (اے پیغمبر) ہم دیکھ رہے ہے کہ حکم الٰہی کے شوق وطلب میں تمہارا چہرہ بار بار آسمان کی طرف اٹھ اٹھ جاتا ہے، تو یقین کرو ہم آپ کا رُخ اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ چاہتے ہیں (اچھا) اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور تم لوگ (آپ اور آپ کے ساتھی) جہاں بھی ہو، اپنے چہرے پھیر لیا کرو اسی طرف اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے (یہود اور نصاریٰ) وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ معاملہ ان کے پروردگار کی طرف سے ایک اَمرِ حق ہے (کیونکہ ان کے مقدس نوشتوں میں اس کی پیشین گوئی موجود ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان کی کاروائیوں سے۔

اور اگر تم اہلِ کتاب کے سامنے (دنیا جہان کی) ساری دلیلیں بھی پیش کر دو جب بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں نہ یہ ہو سکتا ہے کہ (علم و بصیرت کی پوری روشنی حاصل ہونے کے بعد تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنے لگو اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں۔ (یہود کا قبلہ ہیکل بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کسی عمارت یا مکان کو نہیں، بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ (ابنِ جریر وغیرہ)

(اور دیکھو) اگر تم نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی باوجودیکہ تمہیں اس بارے میں علم حاصل ہو چکا ہے (قبلہ کے متعلق وحی نازل ہو چکی ہے) تو تم بھی ان میں آجاؤ گے جو (نافرمانی کر کے اپنے اُوپر) ظلم کرتے ہیں اور جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں وہ آپؐ کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو جانتے پہچانتے ہیں، لیکن اس پر ایک گروہ ان میں ایسا ہے جو جان بوجھ کر سچائی کو چھپاتا ہے۔ (تحویلِ قبلہ کا یہ معاملہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک امرِ حق ہے۔ پس ہرگز ہرگز ایسا نہ ہو کہ تم شک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔

عـــہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ۱۲۔

ترانہ

دارُالعلوم دیوبند

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

خود ساقیٔ کوثر نے رکھی مے خانے کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی رُوداد یہاں

جو وادیٔ فاراں سے اٹھی گونجی ہے وہی تکبیر یہاں
ہستی کے صنم خانوں کے لیے ہوتا ہے حرم تعمیر یہاں

برسا ہے یہاں وہ ابرِ کرم اٹھا تھا جو سوئے یثرب سے
اس وادی کا سارا دامن سیراب ہے جوئے یثرب سے

کہسار یہاں دَب جاتے ہیں طوفان یہاں رُک جاتے ہیں
اس کاخِ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

ہر بوند ہے جس کی امرت جل یہ بادل ایسا بادل ہے
سو ساگر جس سے بھر جائیں یہ چھاگل ایسا چھاگل ہے

مہتاب یہاں کے ذرّوں کو ہر رات منانے آتا ہے
خورشید یہاں کے غنچوں کو ہر صبح جگانے آتا ہے

یہ صحنِ چمن ہے برکھا رُت ہر موسم ہے برسات یہاں
گلبانگِ سحر بن جاتی ہے ساون کی اندھیری رات یہاں

اسلام کے اس مرکز سے ہوئی تقدیس عیاں آزادی کی
اس بامِ حرم سے گونجی ہے سو بار اذاں آزادی کی

اس وادیٔ گل کا ہر غنچہ خورشید یہاں کہلایا ہے
جو رند یہاں سے اٹھا ہے وہ پیرِ مغاں کہلایا ہے

جو شمعِ یقیں روشن ہے یہاں وہ شمعِ حرم کا پرتو ہے
اس بزمِ ولی اللّٰہی میں تنویرِ نبوت کی ضو ہے

یہ مجلسِ مے وہ مجلس ہے خود فطرت جس کی قاسم ہے
اس بزم کا ساقی کیا کہیے جو صبحِ ازل سے قائم ہے

جس وقت کسی یعقوب کی لے اس گلشن میں بڑھ جاتی ہے
ذرّوں کی ضیا، خورشید جہاں کو ایسے میں شرماتی ہے

عابد کے یقیں سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ ایک صنم خانہ ہے جہاں محمود بہت تیار ہوئے
اس خاک کے ذرّے ذرّے سے کس درجہ شرر بیدار ہوئے

ہے عزمِ حسین احمدؒ سے بپا ہنگامۂ گیر و دار یہاں
شاخوں کی لچک بن جاتی ہے باطل کے لیے تلوار یہاں

رومی کی غزل رازی کی نظر، غزالی کی تلقین یہاں
روشن ہے جمالِ انور سے پیمانۂ فخر الدین یہاں

ہر رند ہے ابراہیم یہاں ہر میکش ہے اعزاز یہاں
زندانِ محمدی پر کھلتے ہیں تقدیس طلب کے راز یہاں

ہیں کتنے عزیز اس محفل کے انفاسِ حیات افروز ہمیں
اس سازِ معانی کے نغمے دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

اس بزمِ جنوں کے دیوانے ہر راہ سے پہنچے یزداں تک
ہیں عام ہمارے افسانے دیوارِ چمن سے زنداں تک

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

جو صبحِ ازل میں گونجی تھی فطرت کی وہی آواز ہیں ہم
پروردۂ خوشبو غنچے ہیں گلشن کے لیے اعجاز ہیں ہم

اس برقِ تجلی نے سمجھا پروانۂ شمعِ نور ہمیں
یہ وادی ایمن دیتی ہے تعلیم کلیم طور ہمیں

دریائے طلب ہو جاتا ہے ہر میکش کا پایاب یہاں
ہم تشنہ لبوں نے سیکھے ہیں مے نوشی کے آداب یہاں

بلبل کی دُعا جب گلشن میں فطرت کی زباں ہو جاتی ہے
انوارِ حرم کی تابانی ہر سمت عیاں ہو جاتی ہے

ہر موج یہاں اک دریا ہے اک ملت ہے ہر فرد یہاں
گونجا ہے ابد تک گونجے گا آوازۂ اہلِ درد یہاں

امداد و رشید و اشرف کا یہ قلزمِ عرفاں پھیلے گا
یہ شجرۂ طیب پھیلا ہے تا وسعتِ امکاں پھیلے گا

خورشید یہ دینِ احمد کا عالم کے اُفق پر چمکے گا
یہ نُور ہمیشہ چمکا ہے یہ نُور برابر چمکے گا

یوں سینۂ گیتی پر روشن اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوارِ حرم سینے میں دل بیدار رہے

مولانا ریاست علی صاحب استاذ دار العلوم دیوبند

اِس دینی رسالہ سے آپکا تعاون آپ کے اَجر اور اسکے اِستحکام، بقاء، اور ترقی کا باعث ہوگا۔

ماہنامہ انوار مدینہ لاہور

★ اِس کے خریدار بنیئے اور دوسروں کو خریدار بنائیے
★ اِس میں اشتہار دیجئے اور دوسروں سے دلوائیے
★ اِس کے لیے مضامین لکھیئے اور اپنے مضمون نگار دوستوں کو اس کیلئے مضمون لکھنے کی ترغیب دیجئے۔

قسط : ۲
(آخری)

مصیبتوں کے اسباب

شیخ الاسلام حضرۃ مولانا سیّد حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کے صاحبزادے حضرت مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے منعقد ہونیوالی سالانہ ختم نبوّت کانفرنس میں شرکت کے لیے پاکستان تشریف لائے تو حسب معمول جامعہ میں قیام فرمایا۔ مؤرخہ ۱۸ ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ ۱۴ ر اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز ہفتہ بعد عشاء جامعہ میں جلسہ تقسیم انعامات منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں حضرت نے مفصل خطاب فرمایا جس میں آپ نے اُمّت پر آنے والی مصیبتوں کے اسباب اور ان سے بچنے کی تدبیر بیان فرمائی۔ حضرت کا یہ خطاب کیسٹ سے نقل کرکے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔　　(ادارہ)

...لے لوگ پچھلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں۔

فرماتے ہیں آخر میں وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا اور دین اتنا بے قدر ہو جائے کہ جو بعد کے آنے ...لے لوگ ہیں وہ پہلے لوگوں پر جنہوں نے دین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر تم تک پہنچایا ہے ان پر ...نت بھیجنے لگیں، تو کیا فرماتے ہیں؟ فرماتے ہیں فَلْيَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَآءَ دیکھو جب یہ ...یں ہونے لگیں اُمّت کے اندر تو اب انتظار کرو آندھیاں چلیں گی سُرخ آگ برساتی ہوئی، رِيْحًا حَمْرَآءَ ...خَسْفًا اَوْ مَسْخًا۔ زمینیں پھٹ پھٹ جائیں گی۔ آبادیاں دھنس دھنس جائیں گی اس کے اندر صورتیں ...ل جائیں گی۔

نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پندرہ چیزوں کو گنوایا، مسلمان جہاں ہیں دُنیا کے اندر مصیبت کا ...کار ہیں۔ کیسے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں مصیبتوں کے اور وہ دور ہے کہ ختم ہوتے کو نہیں آتا۔ کس طرح تباہی

مچی ہوئی ہے۔ کہاں جائے مسلمان، کہاں رہے؟ ساری دُنیا کی بساط کو دیکھ لیجئے کہیں آپ کو چین و سکون میسّر نہیں، عیسائی کو میسر ہے، یہودی کو میسر ہے، ہندو کو میسر ہے اگر میسر نہیں ہے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں تو مسلمان کے اوپر ٹوٹ رہے ہیں اور وہ مسلمان جو سرتا پا خدا کی رحمت کو دعوت دینے والا تھا۔ گڑگڑاتا ہے روتا ہے مصیبتوں کا شکوہ کرتا ہے، اللہ کی رحمت کو جوش نہیں آتا۔ کیوں نہیں آتا؟ کیا بات ہے؟ کبھی سوچا مسلمان نے؟ یہ دنیا دارالاسباب ہے۔ ہر چیز کا یہاں سبب ہے۔ اس وقت رات ہے اس کا بھی سبب ہے کہ سورج ڈوب گیا، صبح کو روشنی ہوگی اس کا بھی سبب ہے کہ سورج اُبھرے گا۔

آدمی چاول بوتا ہے تو چاول کاٹتا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ چاول بوئے اور گیہوں کاٹے۔ خدا کی رحمت کو بھی حاصل کرنے کے اسباب ہیں، قرآن و حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں۔ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ اگر مسلمان ان اسباب کو اختیار کرے تو اللہ کی رحمت آج بھی مسلمان کے ساتھ ہے۔

یہ پندرہ چیزیں کیوں بیان کی گئیں؟

دیکھئے! آخر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پندرہ چیزوں کو بیان کیوں فرمایا؟ کیا وجہ کیا ہے بیان کرنے کی؟ قیامت جب آئے گی آئے گی، آنا ہے قیامت کو، لیکن آپ اپنی امت کے سامنے اس کو پیش کیوں فرما رہے ہیں؟ اس لیے کہ امت کو آپ باخبر فرما رہے ہیں کہ دیکھو نبی کی ساری زندگی ان برائیوں کے خلاف جہاد میں گزر گئی۔ تیئس ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں معاشرے کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین بنایا۔ اور زمانۂ جاہلیت کی جتنی برائیاں تھیں اُکھاڑ پھینکا اور صحابہ کی ایسی پاک زندگی والی جماعت کو پیدا کر دیا کہ اتنی پاکیزہ جماعت اب روئے زمین پر قیامت تک نہیں پیدا ہو سکتی۔ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دیکھو! جس طرح جہاد نبی نے کیا اور صحابہ کر رہے ہیں اگر امت ان برائیوں کے خلاف جہاد کرتی رہے گی۔ ان کو جنم نہیں لینے دے گی اپنے معاشرے میں، اور جنم پکڑ گئیں تو اکھاڑ پھینکے گی تو بچ جائے گی اور اگر یہ نہیں کرے گی تو پھر جو اس کا انجام ہے میری امت اس کے لیے تیار ہو جائے۔ مقصد باخبر کرنا ہے کہ ان چیزوں کو جنم نہ لینے دینا اور اگر جنم لے لیں تو اکھاڑ پھینکنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ اگر ایسا نہیں کرو گے تو اس انجام کے لیے تیار ہو جاؤ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک سے بیان فرما رہے ہیں۔ زمین اور آسمان ٹل سکتا ہے لیکن خدا اور اس کے رسول کا کہا نہیں ٹل سکتا۔ اس لیے ان چیزوں کو بیان کیا ہے۔ اس سے بچنا اگر ممکن ہے تو اسی صورت

یں ہے کہ مسلمان اپنے معاشرے کو پاک کریں ، اس کے لیے کوشش کریں ، جدوجہد کریں۔ آگے بڑھیں، مصیبتوں کو اُٹھائیں ، جھیلیں لیکن کام کریں۔

دنیا کے اندر بچتا وہ انسان ہے جو دوسرے کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ آدمی دیکھے کہ شرابی شراب پی رہا ہے اپنے گھر میں گھس جائے اور تالا لگالے اندر سے ، چوری کرنے والا چور چوری کر رہا ہے اور میں گھس جاؤں مسجد کے اندر بیٹھا رہوں کہ مجھ کو کیا لینا ہے خود بھگتے گا ، تو قانونِ قدرت یہ ہے کہ عذاب الٰہی آتا ہے ، تو گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ قرآن بھی کہتا ہے اور حدیث بھی یہی کہتی ہے بچتا وہ ہے عذاب الٰہی سے جو دوسرے کو بچاتا ہے اس کے ہاتھ کو پکڑتا ہے وہ جھٹکتا ہے ، گالی دیتا ہے ، برا کہتا ہے ہر چیز کو سنتا ہے لیکن بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ ؐ نے علومِ نبوّت کو اور احکامِ شریعت کو اسی طرح دوسروں تک پہنچایا ہے

بنی اسرائیل کا ایک واقعہ

قرآن کے اندر ایک واقعہ آتا ہے حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سنا ہوگا آپ نے ، نبی ہیں پتہ چلتا ہے قرآن سے کہ یہ سمندر یا دریا کے کنارے رہتے تھے۔ کاروبار اس قوم کا مچھلی پکڑنا تھا۔ اللہ نے نبی کی زبانی یہ پیغام پہنچایا ، حکم دیا کہ سینچر (ہفتہ) کا دن عبادت کا دن ہے اس دن مچھلی نہیں پکڑی جائے گی۔ یہودی ہیں یہ لوگ۔ یہودیوں کے لیے سینچر کا دن عبادت کا دن ، عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن عبادت کا دن۔ اللہ نے اس امت کے لیے جمعے کے دن کو فضیلت عطا فرمائی ہے۔ حکم ہوا کہ سینچر کے دن مچھلی نہیں پکڑی جائے گی۔ قرآن کہتا ہے اذ تاتیھم حیتانھم یوم سبتھم شرعا و یوم لا یسبتون لا تأتیھم اب جب سینچر کا دن ہوتا تو مچھلیاں اوپر اوپر پھرتی تھیں اور جب سینچر کا دن گزر گیا تو مچھلیاں غائب۔ جب اوپر پھر رہی ہیں تو پکڑا نہیں جا سکتا اس لیے کہ ممنوع ہے اور جب غائب ہوگئیں تو اب پکڑتے ہیں۔ صبح سے شام تک بیٹھا ہے کسی کو مل گئی اور کسی کو نہیں ملی ، یہ ایک امتحان تھا۔

اس امّت کے لیے حالتِ احرام میں شکار منع ہے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ بھی فرماتے ہیں کہ ہمیں بحالتِ احرام شکار سے منع کیا گیا ہے۔ ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے احرام باندھ کر کے ، ہم دیکھتے تھے کہ ہرن اور شکار ہمارے

قریب قریب ہوتا تھا، لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بحالتِ احرام منع فرما دیا گیا یہ اُمّت اس امتحان میں کامیاب ہوگئی، لیکن وہ ناکام ہوگئے۔ کیا کیا انہوں نے؟ مفسرین کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے گھروں کے سامنے چھوٹے چھوٹے حوض یا تالاب بنالیے اور دریا سے ہر آدمی نے جس نے تالاب بنایا ایک نالی بناکر اس سے جوڑ دیا۔ اب جب سنیچر کو مچھلیاں آئیں اور دیکھا کہ تالاب یا حوض بھر گیا تو اس نالی کو بند کر دیا۔ سنیچر کے دن مچھلی کو ہاتھ بھی نہیں لگایا، پکڑا بھی نہیں، مگر اپنے حوض کو بھر لیا۔ اب جب سنیچر کا دن گزر گیا تو بھرا ہوا حوض مل گیا اور اس کے اندر سے مچھلیوں کو پکڑا اور کھایا بھی اور بیچا بھی۔ ہفتے بھر تک مزے اڑائے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے حکم کا ایک مذاق اڑانا تھا۔ اب قرآن کیا کہتا ہے وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ان میں تین جماعتیں ہوگئیں۔ تین طرح کے لوگ۔ ایک تو وہ جو گناہ کرتے تھے جنہوں نے تالاب یا حوض بنالیے تھے۔ ایک وہ جو اس گناہ میں شریک نہیں تھے۔ وہ جو گناہ میں شریک نہیں تھے ان میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک تو وہ تھے جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم کو کیا لینا ہے۔ وہ گناہ کر رہے ہیں خود بھگتیں گے اور ایک وہ تھے کہ خدا نے انہیں علم عطا فرمایا تھا وہ جاتے تھے ان کو روکتے تھے کہتے تھے خدا کے لیے رک جاؤ، کیوں گناہ کرتے ہو؟ خدا کے حکم کا کیوں مذاق اڑاتے ہو؟ یہ جو گھروں میں بیٹھنے والے تھے، گناہوں میں شریک نہیں تھے ان کے ساتھ، یہ ان سے کہتے تھے لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا۔ ارے بھائی، تم کو کیا آفت مصیبت پڑی ہے۔ جو گناہ کر رہے ہیں اس گناہ کی سزا بھگتیں گے۔ اللہ یا تو ہلاک کر دے گا یا بڑے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔ تم کو کیا آفت ہے کہ روز پہنچ جاتے ہو ان کو سمجھانے بجھانے کے لیے، چھوڑو ان کو ان کے حال پر۔ جس طرح ہم بیٹھے ہوئے ہیں مسجد میں اپنے گھر پہ تم بھی اسی طرح بیٹھو۔ تو تین طرح کے ہوگئے لوگ۔ ایک وہ جو گناہ کر رہے ہیں۔ ایک وہ جو گناہ میں شریک نہیں ہیں۔ جو گناہ میں شریک نہیں ہیں ان میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک وہ ہیں جو سمجھا رہے ہیں ہاتھ پکڑ رہے ہیں گناہ گار کا اور ایک وہ ہیں جو گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں نہ گناہ کر رہے ہیں نہ گناہ گار کو گناہ سے روک رہے ہیں، بلکہ جو گناہ گار کو گناہ سے روکتا ہے اسے روک رہے ہیں کہ تمہارے اوپر کیا آفت پڑ گئی، تم کیوں جا رہے ہو۔ تو انہوں نے کیا جواب دیا مَعْذِرَةً ارے بھائی کل کو اگر اللہ ہم سے پوچھے گا کہ تم نے ان گمراہوں کو راہِ ہدایت کیوں نہیں دکھلائی تو ہم اللہ کے سامنے معذرت تو پیش کر دیں گے کہ

الہ العلمین جو کر سکتے تھے وہ کیا ۔ ہماری بات کو قبول نہیں کیا انہوں نے اور ہو سکتا ہے کہ ہماری بات چل جائے ۔ اور یہ ہدایت کو اختیار ہی کرلیں ۔

اب قرآن کیا کہتا ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَئِيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فرماتے ہیں جب ہمارا سبق وہ بالکل بھول ہی گئے نبی کی تعلیم کو (فراموش کر دیا اور) پیچھے ہٹنے کا موقع ہی نہیں رہا اور انتہا کو پہنچ گئے تو وہ لوگ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ جو برائی سے بچا رہے تھے انہیں تو ہم نے ایک طرف کر لیا ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول ہے کہ وہ جو گناہ کر رہے تھے اور وہ جو گناہ نہیں کر رہے تھے ، مگر اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے دونوں کو عذاب میں پیس دیا ۔ ان کا کیا قصور تھا؟ قصور یہ تھا کہ دیکھ رہے تھے کہ گناہ گار گناہ کر رہا ہے ، اس کے ہاتھ کو نہیں پکڑ رہے تھے ، اس کو ہدایت نہیں دے رہے تھے ۔ اس لیے دستورِ خداوندی یہ ہے کہ بچتے وہ ہیں جو دوسروں کے ہاتھ کو پکڑتے ہیں ۔ کیوں مسلمان کے اندر یہ چیز نہیں ہے ؟ کیوں اپنے بھائی کے ہاتھ کو نہیں پکڑتا ، اگر نہیں پکڑتا تو جو کچھ ہو رہا ہے بھگت رہا ہے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ دُنیا تنگ ہوتی چلی جا رہی ہے ، مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں ۔ یہ سلسلہ ختم نہیں ہو رہا ۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو فرمایا ہوا ہے وہ ہو رہا ہے ۔

مسلمان کا حال عجیب ہے کہ اسے دین سے اتنی بے رغبتی ہے اور دین سے اتنا دُور ہے کہ وہ دین کی طرف آنا نہیں چاہتا ، اپنے بچوں کو دین پڑھانا نہیں چاہتا ، حلال و حرام کا علم نہیں دینا چاہتا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس دنیا میں حلال و حرام سے بالکل بے پروا ہے ۔ وہ کسی قانون کا پابند ہی نہیں ہے ۔ کسی شریعت اور دین سے اس کو واسطہ نہیں ہے ۔ بس دُنیا میں صرف کھانے کمانے کے لیے آیا ہے اور کوئی چیز نہیں ہے خدا نے اگر چند پیسے دے دیئے کسی انسان کو پھر وہ اپنی اولاد کو دین کی طرف لانے والا نہیں ہے ۔ بڑی خراب بات ہے بہت بُری بات ہے ۔ اللہ کے دین کی طرف تو ایسے آدمی کو اور لپکنا چاہیئے دوڑنا چاہیئے کہ خدا کا احسان ہے ، وہ فقیر جو صبح سے شام تک فٹ پاتھ پر بیٹھ کر بھیک مانگتا ہے اللہ نے اس انسان کو اس سے مستغنی کیا ہے ۔ خدا نے اپنے فضل سے دولت عطا فرمائی ہے ۔ چین دیا ہے اطمینان دیا ہے عزت و آبرو دی ہے ۔ اس کے احسان کو ادا کرو ، حلال اور حرام کے علم کو حاصل کرو ، قرآن کی طرف چلو ، اولاد کو دین سکھلاؤ قرآن سکھلاؤ اس لیے کہ خدا کی رحمت اترے گی ، حلال و حرام کا علم ہو گا ۔ انسان برائیوں سے بچے گا ۔ اگر نہیں

کرے گا تو کہاں سے دین کی روشنی گھر کے اندر رہے گی۔ (بہرطور) یہ حالات ہیں آجکل کے۔ ان حالات کے سلسلے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اور آپ کو باخبر کیا ہے۔ یہ وہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے اللہ کی رحمت مسلمان کے اُوپر سے اٹھ رہی ہے۔ ایک ایک چیز اس حدیث میں بیان کی ہے۔ آپ حضرات اس کو سوچیں اور یہ دیکھیں کہ ہمارے معاشرے میں ہماری زندگی میں ہمارے گھروں کے اندر کتنی چیزیں ہیں کہ جو جڑ پکڑ گئی ہیں۔ اللہ کے رسول ؐ کے بیان کرنیکا مقصد ہی ہمیں اور آپکو باخبر کرنا ہے کہ دیکھو ان چیزوں کو جنم نہ لینے دینا جو انسان ان کے خلاف جس درجے میں جہاد کرے گا اللہ کی رحمت کا اسی درجے میں وہ مستحق ہوگا۔ اس لیے اپنے گھروں کے اندر اس شعور کو بیدار کرنا چاہیئے کہ جو چیز منکر ہے خراب ہے خدا کی رحمت سے دُور کرنے والی ہے اس چیز کو گھر کے اندر نہیں آنے دینا چاہیئے اور اپنے بچوں کا دین سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے۔ قرآن کی تعلیم دینی چاہیئے۔

مدارسِ اسلامیہ معاشرے میں دین باقی رکھنے کا سبب ہیں

یہ جو مدرسے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے کے اندر دین باقی رہے۔ ہمارے اکابر کی قبروں کو اللہ نُور سے بھرے انہوں نے تقسیم سے پہلے ہندوستان کے اندر انگریز کے زمانے میں یہ سوچا تھا کہ اس ملک میں اسلام کی زندگی مدارس پر موقوف ہے۔ یہ ان کی بصیرت تھی، ورنہ اُس وقت نہیں ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ یورپ کے اندر فرانس میں اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں جس زمانے میں عرب کے افریقہ کے بہت سے ملک تیونس، الجزائر، مراکش یہ فرانس اور یورپ کے ماتحت بے شمار لاکھوں کی تعداد میں اور ترک کے لوگ جاکر آباد ہوگئے فرانس اور جرمنی کے اندر لاکھوں کی تعداد میں سب کے سب مسلمان تھے اس ملک میں جاکر آباد ہوئے۔ لیکن انھوں نے اپنے بچوں کو دین باقی رکھنے کے لیے تعلیم کا سلسلہ نہیں جاری کیا۔ آج یہ اُن کی تیسری، چوتھی اور پانچویں نسل ہے۔ یہ جانتے ہیں کہ ان کے باپ دادا، پردادا مسلمان تھے، لیکن اسلام کے بنیادی کلمے سے بھی ناواقف ہیں۔ شراب پیتے ہیں، خنزیر کھاتے ہیں۔

مجھ سے ایک بازار میں وہاں ایک شخص کہنے لگا (میں ایک چیز لینے کے لیے گیا۔ ضرورت تھی، وہ مجھ سے کہنے لگا) کہ مَیں عربی ہوں۔ مَیں نے کہا کہ کیسے عربی ہو؟ کہنے لگا کہ میرا باپ یمن کا رہنے والا تھا اس نے یہاں میری ماں سے شادی کرلی تھی ایک انگریز سے اور اس سے میں پیدا ہوا ہوں۔ مَیں نے کہا، تم جانتے ہو اسلام؟ اس نے کہا، مَیں تو نہیں جانتا اسلام کسے کہتے ہیں۔

اگر ہمارے اسلاف مدرسوں کے اس سلسلے کو اس ملک میں قائم نہ کرتے تو انگریز کے دور میں جس طرح مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی ہے شاید مسلمان اپنی اس اصلی شکل و صورت کے اوپر باقی نہ رہتے اب صورتِ حال یہ ہے کہ آپ اپنے اس ملک کے اندر دیکھتے ہیں کہ مسلمان اسلام کی صورت کو تو اختیار کیے ہوئے ہے۔ ہندوستان کے اندر مسلمان کٹتا ہے مرتا ہے، صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہے، لیکن وہ اپنی اسلامی شکل و صورت اور شعار کو ختم نہیں کرتا کہ اگر قتل ہی کیا جاؤں گا تو مسلمان سمجھ کر تو قتل کیا جاؤں گا۔ یہ صرف ان اکابر کی دین ہے۔

اگر ہم اپنے بچوں کو بنیادی دینی تعلیم نہیں دیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم مستقبل میں اپنے گھر میں دین کی روشنی کو باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ یہ بچے جو موجودہ سکول کے ماحول میں رہ کر پلیں گے، بڑھیں گے جب جوان ہوں گے تو اسلام کی محبت کو لے کر نہیں اٹھیں گے۔ ساری دنیا اسی پر لگی ہوئی ہے کہ کسی طرح مسلمان کے رشتے کو اسلام سے کاٹ دیا جائے اور اسی کے لیے رات دن پروگرام بنتے رہتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال میں مسلمان کو تو اپنے دین پر تو اور زیادہ متصلب بنکر زندہ رہنا چاہیئے اور وہ وہی شکل ہے کہ جب اپنے بچوں کے اندر دین کی بنیاد کو مضبوط کیا جائے گا، ورنہ یہ بچے جوان ہو کر دین سے بیزار ہوں گے۔ دین کی محبت ان کے دل کے اندر نہیں ہوگی۔ نہیں جانیں گے کہ اسلام کیا چیز ہے۔

اس لیے میرے بھائی ان حالات کے اندر ہر آدمی کو سوچنا چاہیئے کہاں انسان ٹھوکریں کھائے گا کہاں جائے گا۔ جس مصیبت کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اس مصیبت کا کوئی تدارک ہونا چاہیئے۔ دوا ہونی چاہیئے۔ عقلمند آدمی وہ نہیں ہے جس کو ٹھوکر لگ جائے تب اٹھ کر آنکھ کھولے۔ عقل مند وہ ہے جو دوسرے کو ٹھوکر لگتے ہوئے دیکھے اور سنبھل جائے۔ دیکھئے آنکھ سے کیا ہو رہا ہے دُنیا کے اندر۔ اس کے کچھ اسباب ہیں۔ یہ دنیا دار الاسباب ہے اس سے کس طرح چھٹی مل سکتی ہے۔ سوچئے! غور کیجئے!

ہر آدمی اپنے اپنے سرکل کے اندر اپنے گھر کے اندر دیکھے، طاقت نہیں ہے کہ آپ اپنے محلے کو دیکھ سکیں۔ اپنے گھر کو تو دیکھ سکتے ہیں۔ اگر خدا نے کسی کو ایسی وجاہت اور عزت دی ہے کہ وہ اپنے محلے کو دیکھ سکتا ہے تو محلے کو دیکھے۔ ہر آدمی اپنے اپنے دائرہ عمل کے اندر اپنے آپ کو چوکس رکھے۔ اگر نہیں کرے گا دین کو مضبوط نہیں کرے گا۔ منکرات کو نہیں نکالے گا تو خدا کی رحمت سے محروم ہو جائے گا۔

اللہ ہم سب کو دین کے اوپر ثابت قدمی عطا فرمائے۔ مشکلات، مشاکل اور مصائب سے اللہ ہمیں

نجات عطا فرمائے۔ ہمارے حال کے اوپر رحم فرمائے۔ ہمارے بچے اور بچیوں کے اندر عفت اور آبرو کو اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت عطا فرمائے۔ ایمان کے اوپر ثابت قدمی عطا فرمائے اور ایمان کے اوپر خاتمہ یسر فرمائے۔ مشکلات اور مشاکل آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نجات عطا فرمائے۔ مسلمانوں کو عزت و آبرو عطا فرمائے چین اور سکون عطا فرمائے، رزق حلال میسر فرمائے، حرام کاموں سے حرام رزق سے اللہ تعالیٰ دلوں کے اندر نفرت کو پیدا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ مساجد کی حفاظت فرمائے، مدارس کی حفاظت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ علم کے اندر برکت عطا فرمائے، تعلیم کے اندر برکت عطا فرمائے جو لوگ دین سے جڑے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے رشتے کو دین سے اور بھی مضبوط فرمادے۔ جو لوگ دین کی خدمت جس طرح بھی کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول عطا فرمائے۔ صراطِ مستقیم پر گامزن فرمائے ہدایت فرمائے۔ ہمارے رشتے کو قرآن سے اور اسلام سے زیادہ سے زیادہ مستحکم فرمادے جو بیمار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شفا عطا فرمائے۔ جو قرض دار ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قرض سے سبکدوش فرمائے اور آخرت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت یسر فرمائے۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدنا ومولانا محمّد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

انتقالِ پُرملال

○ گذشتہ ماہ مؤرخہ ۱۸ر دسمبر کو حضرتِ اقدس بانیٔ جامعہ کے دیرینہ دوست جناب راؤ تاج محمّد صاحب طویل علالت کے بعد بھائی پھیرو میں انتقال فرماگئے انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک ہونے کی وجہ سے اپنے علاقہ میں ہر دلعزیز تھے۔ علماء سے ہمیشہ گہری محبت رہی۔ مرحوم کو حضرۃ شیخ الاسلام نوّر اللہ مرقدہٗ سے شرف بیعت بھی حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور ان کی اولاد کو اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

○ مؤرخہ ۲۵ر نومبر کو جناب حافظ عبدالقدیر صاحب (حیدر آباد والوں) کے بڑے بھائی جناب حافظ عبدالرحیم صاحب وفات پاگئے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ مرحوم کی ساری زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں گزری۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو اپنے ہاں شرفِ قبولیت سے نوازے اور ان کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئینِ انوارِ مدینہ سے مرحومین کے لیے دعاءِ خیر کی اپیل ہے۔

شخصیات

قسط: ۳ (آخری)

علامہ ظہیر احسن شوق نیموی رحمہ اللہ

مولانا محمد نثار الہدیٰ قاسمی استاذ مدرسہ احمدیہ ابابکر پور ویشالی

دیگر تصانیف

آثار السنن کے علاوہ علامہ نیموی کی دیگر تصانیف بھی ہیں۔ ان کو دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے:

(۱) مذہبی تصانیف (۲) ادبی تصانیف

مذہبی تصانیف: مذہبی تصانیف میں "آثار السنن" کے علاوہ علامہ نیموی کی گیارہ کتابوں کا پتہ چلتا ہے، جن میں سے دس کتابیں حنفی مسلک کی تائید میں اور مناظرانہ اسلوب میں صرف ایک کتاب (۱) وسیلۃ العقبیٰ، موت، مرض اور متعدی امراض سے متعلق ہے۔ جس میں قرآن واحادیث کی روشنی میں مختلف ابواب کے تحت مرض و موت کے متعلقہ مسائل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ انداز بیان عمدہ اور اثر انگیز ہے[۱]۔

(۲) تبیان التحقیق: صرف نو صفحات پر مشتمل یہ رسالہ علامہ نیموی کی ان نادر تحقیقات پر مشتمل ہے، جن کی طرف بیشتر محدثین کی نگاہیں نہیں گئی ہیں اور جنہیں علمی دنیا میں علامہ نیموی کی تحقیق کی دین کہا جا سکتا ہے، گو یہ رسالہ اب نایاب ہے، لیکن اس کے اکثر مندرجات کو تھوڑے بہت تغیر و تبدل کے ساتھ آثار السنن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

(۳) الدرۃ الغرۃ فی وضع الیدین علی الصدر و تحت السرۃ: گیارہ صفحات کا مختصر رسالہ ہے جسے قومی پریس لکھنؤ نے طبع کیا تھا۔ اس میں علامہ نیموی نے شوافع کی مؤید آٹھ روایتوں کو ذکر کر کے ان پر کلام کیا ہے

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھئے علامہ شوق نیموی حیات و خدمات ص:

بعد میں احناف کی مؤید چھ روایتیں نقل کرنے کے بعد مذہب احناف کا راجح ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کی زبان اردو اور انداز مناظرانہ ہے۔

④ مقالۂ کاملہ : ۷۲ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ حکیم محمد علی اعظمی کی کتاب "الاجوبۃ الفاخرۃ الفاضلۃ" کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ حکیم محمد علی نے حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کو تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ علامہ نیمویؒ نے اس رسالہ میں ان اعتراضات کا شافی جواب دیا اور تصوف سے متعلق بہت ساری باتوں پر عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ حق حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے۔

⑤ جامع الآثار فی اختصاص الجمعۃ بالامصار : شہر اور بڑے قصبات میں جمعہ کے وجوب اور دیہات میں عدم وجوب کے سلسلہ میں مجتہدانہ شان اور محققانہ انداز میں بحث کر کے علامہ نیمویؒ نے نہایت قوی اور مستحکم دلائل سے احناف کے مسلک کو واضح اور مبرہن کیا ہے۔ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے اکثر مندرجات آثار السنن میں "باب لا جمعۃ الا فی مصر جامع" کے تحت شامل ہے۔

⑥ جلاء العین فی رفع الیدین : اس رسالہ میں رفع یدین سے متعلق احادیث پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ روایت صحیحہ سے خلفاء اربعہ کا رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوا تھا۔

⑦ حبل المتین : "آمین بالجہر و بالسر" پر ایک مختصر مگر نہایت مفید اور معلوماتی رسالہ ہے جس میں احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور علماء کے اقوال و افعال سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آمین آہستہ کہنا راجح مسلک ہے

⑧ رد السکین : حبل المتین پر مولانا محمد سعید بنارسی کے اعتراضات کے مجموعہ "سکین" کا رد ہے اس میں علامہ نیمویؒ نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا موصوف کے زیادہ تر اعتراضات کم فہمی اور لاعلمی پر مبنی ہیں۔ ۱۸ صفحات پر مشتمل نہایت وقیع رسالہ ہے۔ اسلوب مناظرانہ اور زبان اردو ہے۔

⑨ اوشحۃ الجید فی اثبات التقلید : یہ کتاب ۱۱۰ صفحات پر مشتمل فقہ اسلامی کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے جس میں تقلید اور عدم تقلید کی بحثوں کے ساتھ ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کے حالاتِ زندگی اور ان کی علمی عظمت و عبقریت کو تفصیل سے لکھا ہے۔ پہلی بار قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی۔

⑩ تبصرۃ الانظار فی رد تنویر الابصار : تنویر الابصار کے رد میں تین صفحات پر مشتمل

ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں مؤلف تنویر الابصار کے غلط حوالے اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے کی گئی غلط تاویلات کی قلعی کھولی گئی ہے، یہ سیرِ بنگال کے ساتھ مصنف کی زندگی ہی میں شائع ہوا تھا۔

(۱۱) علامہ نیموی کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید فوقانی نے ان کتابوں کے علاوہ تین اور کتاب لامع الانوار فی نظر المختار، تذئیل اور المجلی فی رد قول المحلی کا تذکرہ کیا ہے۔ اول الذکر دو کتابیں میری نظر سے نہیں گزری ہیں، لیکن آخر الذکر کتاب خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے اور میں نے اسے دیکھا ہے۔ محلی کے بعض اقوال کی اس میں تردید کی گئی ہے۔

<u>ادبی تصانیف</u> : ادبی تصانیف میں اب تک علامہ کی جن کتابوں کا پتہ چل سکا ہے، ان کی تعداد آٹھ ہے[1]

(۱) دیوانِ شوق : ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل علامہ نیموی کا یہ شعری مجموعہ ۱۳۲۶ھ میں مطبع سیدی پٹنہ سے محمد نور الہدیٰ صاحب نیموی نے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ اس میں ۸ قصائد، ۳۸ رباعیات اور ۲۲ قطعات ہیں۔ اخیر میں مکیش حیدر آبادی، شمشاد لکھنوی، ازل لکھنوی کے تاریخی قطعات بھی درج ہیں، جو ان حضرات نے دیوان کی طباعت پر کہے تھے۔

(۲ - ۳) نغمۂ راز اور سوز و گداز : دونوں اردو زبان میں علامہ نیموی کی معرکۃ الآرا مثنوی ہے۔ نغمۂ راز ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے اور پہلی بار قومی پریس لکھنؤ میں چھپی تھی، جبکہ سوز و گداز کے صفحات کی تعداد ۴۶ ہے اور یہ نظامی پریس پٹنہ میں طبع ہوئی۔

(۴) ازاحۃ الاغلاط : فارسی زبان میں بڑے سائز کے ۳۹ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عربی و فارسی کے ایسے الفاظ کی تحقیق پر مشتمل ہے جو عوام میں غلط مستعمل ہیں۔ پہلی بار ۱۸۹۳ء میں قومی پریس لکھنؤ میں طبع ہوا تھا۔ بعد میں مولانا حسرت موہانی نے اردو پریس علی گڑھ سے بھی شائع کیا تھا۔

(۵) سرمۂ تحقیق : علامہ نیموی نے ازاحۃ الاغلاط میں جلال لکھنوی کی تنقیح اللغات سے بعض تحقیقی امور میں اختلاف کیا تھا۔ جب جلال لکھنوی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کے جواب میں ردِ تردید نامی رسالہ لکھا۔[2] سرمۂ تحقیق دراصل اسی ردِ تردید کا جواب ہے۔ جو اردو زبان میں ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے "علامہ شوق نیموی حیات و خدمات" از ڈاکٹر عتیق الرحمٰن قاسمی ص ۱۰۳ تا ۱۱۴۔ [2] ←

(۶) اصلاح : اردو زبان کے نوآموز شعراء کو زبان و بیان کی خامیوں سے محفوظ رکھنے اور متروکہ الفاظ سے باخبر رکھنے کے لیے ۳۱ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۸۸۷ء میں پہلی بار چھپا۔ بعد میں "ایضاح" نامی مصنف کے حاشیہ کے ساتھ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ ابھی حال ہی میں اترپردیش اردو اکادمی نے بھی اس کی عکسی اشاعت کی ہے

(۷) یادگارِ وطن : اردو زبان میں ۱۵۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب نیمی کے حالات اور خود علامہ نیموئ کے آباؤ اجداد اور ان کی حالاتِ زندگی پر خود نوشت سوانح ہے۔ علامہ کی دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی قومی پریس لکھنؤ سے طبع ہوئی تھی۔

(۸) سیرِ بنگال : علامہ نیموی کا سفرنامہ ہے جو انہوں نے غیر منقسم بنگال کے سفر سے واپسی کے بعد بڑے دلکش انداز میں تحریر فرمایا تھا۔ یہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

اولاد اور وفات

آپ کی دو شادیاں ہوئیں تھیں۔ پہلی شادی اپنی خالہ کی لڑکی مخدومن سے ہوئی تھی جن سے مولانا عبدالرشید فوقانی اور لڑکی سیلہ پیدا ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد دوسری شادی چچا کی لڑکی اِم مکتوم سے ہوئی جن کے بطن سے عبدالسلام پیدا ہوئے جو سنِ بلوغ سے پہلے ہی وفات پا گئے۔

علامہ شوق نیموی کی وفات جمعہ کے دن عین خطبہ کے وقت ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۰۴ء کو ہوئی۔ وفات شاہ الی پٹنہ سیٹی میں ہوئی، مگر نعش مبارک وطن مالوف نیمی لے جائی گئی اور وہیں سینچر کے دن تدفین عمل میں آئی۔ مولانا احسن مارہروی نے تاریخ وفات کہی ہے۔

بہر تاریخ وفات او شدہ　　چوں طلب از طالب شیوہ بیاں
کرد انشاد احسن مارہروی　　یافت شوق نیموی دارِ جناں

→ جلال لکھنوی اور علامہ نیموی کے اس ادبی معرکہ کی تفصیل مندرجہ ذیل کتابوں میں مرقوم ہے۔

سرمۂ تحقیق از علامہ نیموی۔ طومار التوبیخ و دندان شکن از قدس پھر ساڑی، گلدستہ نغمہ بہار فروری ۱۸۸۹ء، مشیر قیصر ۲۷ مارچ، ۲۹ مئی، ۲۰ نومبر، ۴ دسمبر، ۱۱ دسمبر ۱۸۸۹ء نیر اعظم مراد آباد اپریل ۱۸۸۹ء، یادگار وطن از علامہ نیموی

علمائے دین کے معاشی ذرائع

قاضی اطہر مبارکپوری

علمائے سلف نے قرآن وحدیث کے حکم کے مطابق علمِ دین کو ذریعہ معاش و معیشت نہیں بنایا اور نہ ہی اس کو حصولِ دنیا کے لیے استعمال کیا، بلکہ کوئی نہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرکے ضروریاتِ زندگی فراہم کی ہیں اور نہایت خودداری اور خود اعتمادی سے دین اور علمِ دین کی خدمت کی ہے۔ اسی کے ساتھ ان حضرات نے اپنے تلامذہ واصحاب کو اہلِ دنیا سے بے نیاز رہنے کی تلقین کی ہے۔ وہ خود کوئی نہ کوئی کام کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کی معاشی مصروفیات کا لحاظ کرکے حتی الامکان ان کے لیے آسانی فراہم کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہلِ علم سے کہا کرتے تھے:

یا معشر القراء استبقوا الخيرات وابتغوا من فضل الله ولا تكونوا عيالاً على الناس۔	اے گروہِ علماء! نیک کاموں میں آگے آگے رہو اور اللہ کے رزق و فضل کو حاصل کرو اور لوگوں پر بار نہ بنو۔

مشہور تابعی عالم ابوظبیان ازدیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ ابوظبیان! تمہاری آمدنی کتنی ہے؟ میں نے کہا کہ میرا وظیفہ ڈھائی ہزار ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم کچھ مویشی پال لو، ہوسکتا ہے کہ قریش کے نوخیز و نوجوان نظامِ خلافت میں دخل دیں اور تمہارا یہ وظیفہ وعطیہ بند کردیں۔

حضرت ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلمیذِ رشید حضرت ابوایوب سختیانیؒ سے کہا کرتے تھے:

یا ایوب الزم سوقك فان فيها غنى عن الناس وصلاحًا في الدين (جامع بیان العلم ج ۲ ص۱۴)	ایوب! تم بازار میں اپنا کاروبار کرو۔ اس لیے کہ اس میں لوگوں سے بے نیازی اور دین میں خوبی ہے۔

ایوب سختیانیؒ نے اپنے استاد کی وصیت ونصیحت پر یوں عمل کیا کہ سختیان (کچے چمڑے) کی تجارت سے ضروریاتِ زندگی پوری کرکے بے فکری و بے نیازی سے تعلیم وتدریس کی خدمت انجام دی۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے :

لو علمت ان اھلی یحتاجون الی دستحۃ بقل ما جلست معکم — اگر میں جانتا کہ میرے گھر والے ایک مٹھی سبزی ترکاری کے محتاج ہیں تو تم لوگوں کے پاس بیٹھ کر درس نہ دیتا۔

حماد بن زیدؒ بیان کرتے ہیں کہ ہم طلبۂ حدیث بازار میں ایوب سختیانی کے سامنے جاکر بیٹھتے تو وہ کہتے کہ تم لوگ میرے سامنے بیٹھ کر خریداروں کو نہ روکو، بلکہ میرے پیچھے بیٹھ کر سوال کرو میں جواب دیا کروں گا۔[۱]

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اپنے شاگرد حسن بن ربیع بورانی کوفی سے دریافت کیا کہ حسن! تمہارا پیشہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ میں بورانی ہوں۔ حضرت ابن مبارک نے پوچھا بورانی کا مطلب کیا ہے ؟ انہوں نے بتایا کہ میرے یہاں چند لڑکے بوریہ یعنی چٹائی بناتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن مبارک نے کہا :

ان لم یکن لک صناعۃ ما صحبتنی[۲] — اگر تمہارا کوئی پیشہ نہ ہوتا تو تم میرے ساتھ رہ کر علم حاصل نہیں کرسکتے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ خود تجارت کرکے اس کی آمدنی سے اہلِ علم کی خدمت کرتے تھے۔

سہیل بن علی کا بیان ہے کہ بچپن میں قاضی مصر خیر بن نعیم حضرمیؒ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ تیل کی تجارت کرتے ہیں۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ قاضی ہوکر روغن فروشی کیوں کرتے ہیں ؟ انھوں نے میرے مونڈھے پر ہاتھ مار کر کہا :

انتظر حتی تجوع ببطن غیرک — تم اس وقت کا انتظار کرو جب دوسرے کے شکم کی وجہ سے بھوکے رہوگے۔

یہ جملہ سن کر میں نے دل میں سوچا کہ کوئی انسان دوسرے کے شکم کی وجہ سے کیسے بھوکا رہ سکتا ہے ؟ اس کی حقیقت اس وقت معلوم ہوئی جب میں بال بچوں کے جھمیلے میں پڑا اور ان کی شکم سیری کے خیال سے میں بھوکا رہنے لگا۔[۳]

۱ـ تاریخ جرجان سہمی ص ۲۷ ۲ـ الانساب سمعانی ج ۲ ص ۳۵

۳ـ الولاۃ وکتاب القضاۃ کندی ص ۳۵۲

ابو العباس احمد بن مروزی ادب ولغت کے مشہور عالم تھے۔ نہایت خوش خط اور زود نویس تھے، ان کا ذریعہ معاش وَرّاقت یعنی اُجرت پر کتابیں لکھنا تھا۔ ان کا بیان ہے:

کل یوم مالم اعمل بدرهم　　روزانہ جب تک ایک درہم کا کام نہیں کر لیتا گھر
لا اخرج من الدار۔ [1]　　سے نہیں نکلتا ہوں۔

عبید اللہ بن ابراہیم تفتازانیؒ محدث، مفسر، واعظ اور عابد وزاہد بزرگ تھے ان کے حال میں لکھا ہے:

یتولی الحرث و الحصاد بنفسه　　وہ خود کھیتی باڑی اور کٹیا کرتے تھے اور اپنی محنت
و یاکل من کده [2]　　سے روزی کماتے تھے۔

امام ابوبکر بن محمد عبد اللہ صبغیؒ رنگ ساز اور رنگ فروش تھے۔ ان کی دکان پر محدثین کی بھیڑ رہا کرتی تھی اور دوکانداری کے ساتھ درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ ان کی دکان نیشاپور کے کرمانی چوک میں پکی سرائے کے دروازے پر تھی۔ سمعانی کا بیان ہے کہ مختلف پیشوں سے منسوب علمائے سلف کی عادت کے مطابق امام صبغی اپنی دکان میں رنگ فروخت کرتے یا رنگ تیار کرتے تھے [3]

حجاج بن منیر مصریؒ حمصی کی نسبت سے مشہور تھے (چنے والے) وہ بھُنے ہوئے چنے فروخت کرتے تھے۔ مصر کے ایک چوک میں ان کا مکان دار الحمص کے نام سے مشہور تھا جس میں چنا بھونتے اور بیچتے تھے، اسی کے ساتھ حدیث کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ان کے بھائی عبد اللہ بن منیر حمصی مصری بھی یہی کام کرتے تھے اور حدیث کا درس دیتے تھے۔ حجاج بن منیر حمصیؒ کے صاحبزادہ ابراہیم بن حجاج حمصی کے ساتھ "قلّاء" (بھوننے والے) کے لقب سے مشہور تھے۔ امیر ابن ماکولا اور سمعانی نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے۔

هذا الرجل كان يقلي الحمص و　　یہ چنا بھونتے اور بیچتے تھے اور قلّاء کے لقب سے
يبيعه و كان يعرف بالقلاء۔ [5]　　مشہور تھے۔

جو طلبہ اپنی معاشی مصروفیات کی وجہ سے محدثین وفقہاء کے حلقۂ درس میں نہیں آسکتے تھے یا دیر سے آتے تھے، شیوخ واساتذہ خود ان کے مکان یا دوکان پر جاکر پڑھایا کرتے تھے، تاکہ ان کا نقصان نہ ہو اور

---

[1] الانساب ج ۱ ص ۱۷۸　[2] طبقات المفسرین داؤدی ج ۱ ص ۳۱۹　[3] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱۴۳ ج : ۳

[4] الاکمال ج : ۳ ص : ۳۳　[5] الاکمال ج : ۳ ص : ۱۷۸ والانساب ج ۴ ص ۱۵۱

معاش و معیشت کی بحالی اور سکون کے ساتھ علم حاصل کریں ۔

امام ولید بن عتبہ دمشق کے باب الجابیہ کی مسجد میں درس حدیث دیتے تھے ۔ ایک شخص بہت دیر سے حلقۂ درس میں شریک ہوتا تھا اور ولید بن عتبہ ان کی وجہ سے سبق دہرایا کرتے تھے ۔ ایک دن اس شخص سے پوچھا کہ تم اتنی تاخیر سے کیوں آتے ہو ؟ اس نے بتایا کہ مَیں بال بچوں والا آدمی ہوں ۔ بیت لہیا میں میری ایک دکان ہے ۔ صبح سویرے سامان خرید کر اس میں بند کرتا ہوں ۔ پھر دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا ہوں تاکہ سبق چھوٹ نہ جائے ۔ مَیں اس لیے ایسا کرتا ہوں کہ میرا معاشی معاملہ خراب نہ ہوجائے ۔ اس کی باتوں کو سن کر ولید بن عتبہ نے کہا کہ اچھا اب مَیں تم کو یہاں دوسری بار نہ دیکھوں ۔ اس کے بعد ولید بن عتبہ کا معمول ہوگیا کہ مسجد میں درس حدیث دے کر ہاتھ میں کتاب لیتے اور سیدھے بیت لہیا جاتے اور اس کی دکان میں بیٹھ کر وہیں درس دیا کرتے تھے[۱]

امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام شافعیؒ کے استاد امام وکیع بن جراحؒ دوپہر میں قیلولہ اور آرام چھوڑ کر سقاؤں کے پاس جاتے اور ان کو حدیث پڑھاتے ۔ ان کا کہنا تھا :

هولاء قوم لهم معاش لا يقدرون ان ياتونی ۔ ان لوگوں کا ایسا ذریعۂ معاش ہے کہ میرے پاس نہیں آسکتے ہیں ۔

امام وکیعؒ ان بہشتیوں اور سقاؤں کو نہایت پیار اور نرمی سے پڑھاتے تھے[۲] ۔ اس کے نتیجے میں معمولی معمولی پیشہ والوں میں حدیث و فقہ اور دینی علوم کا ذوق عام تھا ۔ حتیٰ کہ حمال اور مزدور راستہ چلتے آپس میں علمی و دینی مسائل پر گفتگو کرتے تھے ۔ امام ابو اسحٰق مروزی ایک مرتبہ بغداد میں ایک راستہ سے گزر رہے تھے ، دیکھا کہ دو مزدور اپنے سروں پر سبزی ترکاری کی ٹوکری لیے جارہے ہیں ۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا حضرت ابن عباسؓ نے یہ بات کیسے کہی ، دوسرے نے کہا کیا بات ؟ پہلے نے جواب دیا کہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ قسم کھانے والے کے لیے جائز ہے کچھ دیر کے بعد اس میں استثنار کرے اور یہ استثنار صحیح ہوگا ، اگر یہ بات ہوتی تو حضرت ایوب نے جو قسم کھائی تھی اللہ تعالیٰ اس میں بعد میں استثنار کا حکم دیتا اور وہ قسم پوری کرنے کے لیے اپنی زوجہ کو نہ مارتے ۔ (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۵)

---

[۱] الجامع لاخلاق الراوی، خطیب ص ۳۶ [۲] از ص ۱۶

اہلِ علم کے ذرائع معاش اور ان کے پیشوں کو معلوم کرنا ہو تو تراجم و طبقات کی کوئی کتاب مثلاً تاریخ بغداد انساب سمعانی اٹھا لو شاید باید کوئی ایسا صاحبِ علم ملے جو کسی نہ کسی پیشہ سے مشہور نہ ہوا ور اس کی نسبت کسی پیشہ کی طرف نہ ہو۔ علمائے سلف اپنے معاشی ذرائع کے نمایاں کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے اور ظاہر کرتے تھے کہ وہ کسی جماعت یا فرد پر باربن کر زندہ نہیں ہیں، بلکہ اپنے کاروبار سے اپنی روزی حاصل کرتے ہیں اور عزتِ نفس، معاشی خوشحالی، استغنار اور خود اعتمادی کے ساتھ علم دین اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔ یہی حکم ہے، اسی میں زہد و تقویٰ ہے۔ یہ فخر کی بات ہے، اس میں ذلت اور احساسِ کمتری کے بجائے عزت اور احساس برتری ہے۔ ایک عالم و عارف نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

الا انما التقوی ھو الشرف والکرم — وفخرك بالدنيا ھو الذل والعدم

وليس على عبد تقي نقيصة — اذا صحح التقوى وانحاك اوحجم

تقویٰ ہی شرافت و نجابت ہے — اور تمہارا دنیا پر فخر کرنا ذلت اور محرومی ہے

متقی بندے کے لیے کوئی عیب نہیں ہے — اگرچہ وہ پارچہ بافی کرے یا حجامت کرے

ابتدا میں اربابِ علم و فضل اپنی نسبت قبیلہ اور خاندان سے بیان کرتے تھے، پھر اپنے اوطان و بلاد کی طرف نسبت کا رواج ہوا۔ اس کے بعد صنعت و حرفت اور پیشوں کی نسبت عام ہوئی، بلکہ بہت سے اہلِ علم نے صرف پیشہ کی نسبت پر اکتفا کیا۔ علامہ سمعانیؒ نے لکھا ہے بہت سے شہروں کے علمار کی عادت ہے کہ وہ صنعت و حرفت کی طرف اپنی نسبت ظاہر کرتے ہیں۔ جیسے خوارزم، جرجان، آمل اور طبرستان وغیرہ کے علمار کی یہی عادت ہے، "تاکہ دُنیا والوں کو معلوم ہو کہ خود کفیل اور دوسروں سے بے نیاز ہیں۔

صنعت و حرفت پر زور دیتے ہوئے بعض علمار نے اس موضوع پر مستقل کتاب لکھی ہے، "تاکہ اخلاف اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چل کر اپنی معاش کا خود انتظام کریں، چنانچہ امام ابو عبداللہ محمد بن اسحاق بن سعید سعدی ہرویؒ نے اس موضوع پر "کتابُ الصُّنّاع من الفقہاء والمحدثین" تصنیف کی ہے جس میں پیشہ ور فقہار محدثین کا تذکرہ ہے۔ اس کے بارے میں علامہ سمعانی لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی تصانیف میں ایک بہترین کتاب دیکھی ہے۔ میرے خیال میں اس موضوع پر ان سے پہلے کوئی کتاب نہیں لکھی گئی [1]

---

[1] الانساب ج ۷، ص ۱۴۰

اہلِ علم کی تشویق و تشجیع کے لیے علمی معاشیات کا تذکرہ طبقات و رجال کی عام کتابوں میں بھی کثرت اور خصوصیت سے پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رزقِ حلال اور جائز کسب کے لیے بزرگوں نے ہر چھوٹا بڑا کام کیا ہے۔ اور کام کی نوعیت و حیثیت سے بالاتر ہو کر جائز طریقہ سے اپنی روزی کا انتظام کیا ہے اور جس طرح دنیا میں ہر طبقہ کے لوگ اپنے اپنے علمی مشاغل اور کاروبار میں رہ کر دوسروں سے بے نیاز رہتے ہیں اسی طرح اہلِ علم بھی دوسروں سے بے نیاز ہو کر اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ ہم تین چار طالب علم علی بن عبداللہ مدینیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ہم لوگوں کو دیکھ کر کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق تم لوگ ہی ہو۔

لا تزال طائفة من اُمّتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم او خالفھم۔	میری اُمّت کا ایک گروہ حق و صداقت پر قائم و دائم رہے گا۔ ان کی رسوائی اور مخالفت کرنے والا ان کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔

اور اس کی توجیہ یوں فرمائی کہ تاجروں نے اپنے کو تجارت میں مشغول کر رکھا ہے، دستکاروں اور اہلِ صنعت نے اپنے کو صنعتوں میں مشغول کر رکھا ہے اور ملوک و سلاطین نے اپنے کو امورِ مملکت میں مشغول کر رکھا ہے۔ اور ان سب سے الگ تھلگ رہ کر تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن سے تعلق و محبت رکھتے ہو۔[1]

صنعت و حرفت کی انقلاب انگیز توسیع و ترقی کے اس دور میں ہمارے علماء کو زندگی کے عملی میدان سے دور نہیں رہنا چاہیئے، بلکہ ان کو اسلاف کی طرح رزق و معیشت کے بارے میں خود کفیل بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

---

[1] شرف اصحاب الحدیث، خطیب (ترکی) ص۵۲

قسط : ۳

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر تفسیر" اور اصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاقِ حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

حدیث متواتر کے بارے میں اعتراض کا جواب

امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں :

"یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ 'خبرِ تواتر' کا اسم تو موجود ہے، لیکن ہمارے علم کی حد تک اس کا کوئی صحیح مسمّٰی موجود نہیں ہے۔ بسا اوقات ایک حدیث کو 'خبرِ مشہور' کا درجہ دے دیا جاتا ہے، لیکن تحقیق پر معلوم ہوتا ہے کہ تین ادوار تک اس کے راوی ایک ایک، دو دو ہیں، جبکہ تیسرے یا چوتھے دَور میں اس کے راوی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے نزدیک وہ احادیث جنہیں خبرِ متواتر کہا گیا ہے تحقیق طلب ہیں۔ اگر تحقیق کے بعد وہ مذکورہ تعریف پر پوری اتریں تو انہیں متواتر مانیئے، لیکن مصنوعی طور پر کسی چیز کو متواتر بنانا صحیح نہیں ہے۔"

(مبادی تدبر حدیث ص ۲۰، ۲۱)

امین احسن اصلاحی صاحب کس لاابالی پن سے بات کو اڑاتے ہیں۔ اپنا دعویٰ کرتے ہیں اور اس کے ثبوت

کے لیے دلائل دینے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے ۔ زیرِ بحث مقام ان کے اس طرزِ عمل کی ایک واضح مثال ہے ۔ نہ تو حدیثِ متواتر کی قسمیں ذکر کی ہیں نہ ہی ان کی شرائط ذکر کی ہیں اور نہ ہی ان لوگوں کے دعوٰی کا تحقیقی جواب دیا ہے جو تواتر لفظی کے وجود تک کے قائل ہیں ۔ ہم مندرجہ ذیل حوالجات کے ذریعے سے اصل مسئلہ کی تنقیح کی کوشش کرتے ہیں۔

تواتر کی دو۲ قسمیں ہیں لفظی اور معنوی

علامہ طاہر بن صالح جزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

ينقسم التواتر الى قسمين لفظي و معنوي ۔ فاللفظي هو ما اتفقت الفاظ الرواة فيه مثل ان يقولوا فتح فلان مدينة كذا سواء كان بهذا اللفظ أو بلفظ آخر يقوم مقامه مما يدل على المعنى المقصود صريحا ۔ والمعنوى هو ما تختلف فيه الفاظ الرواة بان يروى قسم منهم وغيره واقعة اخرى وهلم غيران هذه الوقائع تكون مشتملة على قدر مشترك فهذا القدر المشترك يسمى المتواتر المعنوى أو التواتر من جهة المعنى و ذلك مثل ان يروى واحد ان حاتما وهب مائة دينار و آخر انه وهب مائة من الابل و آخر انه وهب عشرين

تواتر کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی ۔ تواتر لفظی اس کو کہتے ہیں کہ اس میں راویوں کے الفاظ متفق ہوں ۔ مثلاً سب یوں کہیں کہ فلاں نے فلاں شہر فتح کیا خواہ بعینہٖ یہی الفاظ ہوں یا ان کے قائم مقام دوسرے الفاظ ہوں ، جنکی معنیٰ مقصود پر دلالت صریح ہو ۔ تواتر معنوی اس کو کہتے ہیں کہ جس میں راویوں کے الفاظ مختلف ہوں بایں طور کہ ان میں سے ایک ایک واقعہ روایت کرے اور دوسرا کوئی اور واقعہ روایت کرے ۔ اور اسی طرح اور راوی کریں ، البتہ یہ تمام واقعات ایک قدرِ مشترک پر مشتمل ہوں ۔ اسی قدرِ مشترک کو متواتر معنوی یا معنی کی جہت سے تواتر کہتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص روایت کرے کہ حاتم نے سو دینار ہبہ کیے اور دوسرا روایت کرے کہ حاتم نے سو اونٹ ہبہ کیے اور تیسرا روایت کرے کہ اس نے بیس گھوڑے ہبہ کیے اور ایسے ہی اور راوی اور واقعات بیان کریں ۔ یہاں تک کہ ان

فرسا وهلم جرا حتى يبلغ الرواة حد التواتر فهذه الاخبار تشترك في شيئ واحد وهو هبة حاتم شيئا من ماله وهو دليل على سخائه وهو ثابت بطريق التواتر المعنوي- ووجه ذلك ان يقال ان هذه الاخبار مشتركة في أمر واحد وهو كونه سخيا فان الراوي لخبر منها صريحا او لهذا المشترك بطريق الايماء فاذا بلغوا حد التواتر كان هذا المشترك وهو سخائه مرويا بطريق التواتر الا انه من قبيل التواتر المعنوي...

راویوں کی تعداد حدِ تواتر تک پہنچ جائے، تو یہ سب خبریں ایک چیز میں مشترک ہیں یعنی حاتم کے اپنے مال میں سے کچھ دینے میں جو کہ اس کی سخاوت پر دلیل ہے۔ اس طرح یہ سخاوت تواتر معنوی سے ثابت ہوئی۔ اس کی توجیہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ تمام خبریں ایک بات میں یعنی حاتم کے سخی ہونے میں مشترک ہیں، کیونکہ ان میں سے ایک واقعہ کی صراحۃً خبر دینے والا راوی اشارتاً اسی مشترک کی روایت کرتا ہے۔ جب یہ راوی حدِ تواتر کو پہنچ گئے تو یہ مشترک یعنی حاتم کی سخاوت کی روایت بھی تواتر سے ہوئی؛ البتہ یہ تواتر معنوی ہے.....

وقال الامام ابو اسحٰق ابراهيم الشيرازي في اللمع : اعلم ان الخبر ضربان متواتر وآحاد- فاما المتواتر فهو كل خبر علم مخبره ضرورة، وذلك ضربان تواتر من جهة اللفظ كالاخبار المتفقة من القرون الماضية والبلاد النائية وتواتر من طريق المعنى كالاخبار المختلفة عن سخاء حاتم وشجاعة علي رضي الله عنه وما اشبه ذلك ويقع العلم بكلا الضربين

امام ابو اسحاق شیرازی لمع میں کہتے ہیں: "جان لو کہ خبر کی دو قسمیں ہیں متواتر اور آحاد۔ رہی متواتر تو یہ ہر وہ خبر ہے جس کا علم ہونا ضروری ہے۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لفظ کی جہت سے تواتر جیسے سابقہ زمانوں اور بعید شہروں کی متفق خبریں۔ دوسرے معنی کی جہت سے تواتر جیسے حاتم کی سخاوت اور حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت وغیرہ کی مختلف خبریں۔ دونوں ہی قسموں سے علم و یقین حاصل ہوتا ہے۔

(توجیہ النظر صـ ۴۶ - ۴۷)

بعض مخصوص احادیث کے بارے میں تواتر کے ہونے نہ ہونے کے اختلاف کی حقیقت

علامہ جزائری رحمہ اللہ آگے نقل کرتے ہیں :

واذا ذکر المتواتر مطلقا تبادر الذهن الى القسم الاوّل منه وقد اختلف العلماء فی احادیث فقال بعضهم هی متواترة وقال بعضهم هی غیر متواترة ـ وقال بعض المحققین ان الخلاف بین الفریقین لفظی فالذی قال انها غیر متواترة اراد انها غیر متواترة من جهة اللفظ والذی قال انها متواترة اراد انها متواترة من جهة المعنیٰ ـ

جب مطلقاً متواتر کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن ان میں سے پہلی قسم یعنی تواترِ لفظی کی طرف سبقت کرتا ہے بعض احادیث کے بارے میں علما کا اختلاف ہوا ہے بعض کا قول ہے کہ یہ متواتر ہیں جبکہ دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ وہ متواتر نہیں ہیں ۔ بعض محققین کا قول ہے کہ دونوں فریقوں کے مابین جو اختلاف ہے وہ محض لفظی ہے، کیونکہ جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ متواتر نہیں ہیں انکی مراد یہ ہے کہ وہ لفظ کی جہت سے متواتر نہیں ہیں اور جو کہتے ہیں کہ وہ متواتر ہیں انکی مراد یہ ہے کہ وہ معنی کی جہت سے متواتر ہیں ۔

قال بعض علماء الاصول ان الکتاب لایثبت الا بالتواتر و أما السنة والاجماع فیثبتان بالتواتر و بالآحاد لکن المتواتر فیهما قلیل بل المرجح انه لیس فی السنة متواتر الا المتواتر فی المعنی دون اللفظ ومن اطلق فکلامه محمول علیٰ ارادة ذلك .....

بعض علمائے اصول کا کہنا ہے کہ کتاب اللہ کا ثبوت تو صرف تواتر سے ہوتا ہے ۔ جہاں تک سنّت اور اجماع کا تعلق ہے تو یہ تواتر سے بھی ثابت ہوتے ہیں اور آحاد سے بھی، لیکن ان میں تواتر قلیل ہے بلکہ راجح تو یہ ہے کہ سُنّت میں صرف متواترِ معنوی ہے متواترِ لفظی نہیں اور جن لوگوں نے سنّت میں تواتر کا قول کیا ہے وہ متواترِ معنوی ہی پر محمول ہے ۔

ویقل تحققه فی الاحادیث الخاصة المنقولة بالفاظ مخصوصة لعدم اتفاق الطرفین والوسط فیها او ان

تواترِ لفظی کا ثبوت ان خاص احادیث میں قلیل ہے جو مخصوص الفاظ کے ساتھ منقول ہیں، کیونکہ ان میں ابتدا و انتہا اور وسط میں عدد کا اتفاق نہیں ہے ۔ اگرچہ

کان مدلول کثیر منها متواترا فی بعض المواد فهی کالاخبار الدالة علی شجاعة علی وکرم حاتم و نظائرهما حتی قال ابن الصلاح من سئل عن ابراز مثال ذلك اعیاه طلبه وحدیث انما الاعمال بالنیّات لیس متواترا و ان کانت رواته منذ اعصر إلی الآن یزید عددهم علی عدد التواتر اضعافا مضاعفة ذلك لان التواتر فیه قد طرأ بعد وکثیرا ما یدعی تواتر ماهو من هذا القبیل مع ان التواتر یشترط فیه ان یکون حاصلا فی جمیع الازمنة لا سیما أولها فشرط التواتر فیها مفقود من جهت الابتداء ، وقد نازع بعض العلماء فی ذلك فادعی وجود التواتر بکثرة ۔ انتهی

ان میں سے بہت سوں کا مدلول ان کے بعض حصوں میں متواتر ہے جیسے وہ اخبار جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم کی سخاوت وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں ۔ یہاں تک کہ ابن الصلاح نے کہا کہ جس شخص سے اس کی مثال لانے کا سوال کیا جائے تو تواتر لفظی کی طلب اس کو تھکا دے گی اور حدیث انّما الاعمال بالنیّات متواتر نہیں ہے ۔ اگرچہ بہت زمانوں سے اب تک اس کے راویوں کی تعداد تواتر کے عدد سے کئی گنا زائد ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تواتر بعد میں طاری ہوا ۔ اور بہت سی احادیث جن میں تواتر کا دعویٰ کیا گیا ہے اسی قبیل سے ہیں، حالانکہ تواتر میں یہ شرط ہے کہ وہ تمام زمانوں میں حاصل ہو ۔ خصوصًا سب سے پہلے زمانے میں ۔ پس تواتر کی شرط ان احادیث میں ابتداء ہی میں مفقود ہے ۔ بعض علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے اور تواتر کے بکثرت وجود کا دعویٰ کیا ہے ۔ انتہی ۔

(توجیہ النظر ص ۴۷، ۴۸)

علامہ قاضی محمد اکرم نصر پوری سندھی رحمہ اللہ اپنی شرح امعان النظر میں لکھتے ہیں :

وبالجملة لا نزاع فی ثبوت التواتر — تواتر معنوی کے ثبوت میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے

المعنوی ۔ واما اللفظی ففی حدیث من کذب علی متعمداجوز والادعاء وفیما سواہ لطرق بعض الاحادیث متکثرۃ لکن لافی غایۃ الکثرۃ حتی ظن بعضھم انھا مما احالت العادۃ التواطؤعلی الکذب لکثرۃ الطرق و بعضھم انھالیست من ھذا القبیل لانھالیست فی غایۃ الکثرۃ ۔

تواتر لفظی تو حدیث من کذب علی متعمد میں اس کے دعویٰ کو جائز کیا ہے ۔ اس کے علاوہ بعض احادیث کے طرق کثرت سے ہیں، لیکن انتہائی کثرت نہیں ہے ۔ اس وجہ سے بعض کا خیال ہے کہ اس میں بھی عادت کثرتِ طرق کی بنا پر تواطؤ اور اتفاق علی الکذب کو محال شمار کرتی ہے اور بعض کا خیال ہوا کہ چونکہ اس میں انتہائی کثرت نہیں پائی جاتی، لہٰذا متواتر کے قبیل سے نہیں ہے ۔

(امعان النظر ص۲۵)

علامہ ابوالحسن الصغیر رحمہ اللہ اپنی شرح بھجۃ النظر میں لکھتے ہیں :

ویحتمل ان بعض الاحادیث لم یطلع علیہ بعضھم لوصف التواتر واطلع علیہ بعضھم الآخر بہ فحکم کل علی مبلغ علمہ ۔

یہ بھی احتمال ہے کہ بعض حضرات ان بعض احادیث کے وصف تواتر پر مطلع نہ ہوتے ہوں اور دوسرے بعض مطلع ہوئے ہوں اور ہر ایک نے اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق حکم لگایا ہو ۔

(بھجۃ النظر ص۲۷)

علامہ جزائری رحمہ اللہ آگے تحریر فرماتے ہیں :

وماقال ابن الصلاح من ان المتواتر لایبحث عنہ فی علم الاثر مما لا یمتری فیہ ۔ قال بعض العلمأ الاعلام لیس المتواتر من مباحث علم الاسناد اذ ھوعلم یبحث فیہ عن صحۃ الحدیث أوضعفہ من حیث صفات رواتہ وصیغ ادائھم لیعمل بہ

اور جو ابن الصلاح نے کہا ہے کہ علم اثر میں متواتر کی بحث نہیں کی جاتی ۔ ایسی بات ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے بعض علمائے اعلام کا کہنا ہے کہ متواتر علم الاسناد کے مباحث میں سے نہیں ہے کیونکہ یہ وہ علم ہے جس میں حدیث کی صحت یا ضعف کی بحث اس کے راویوں کی صفات اور ان کی ادائیگی کے صیغوں کے اعتبار سے کی جاتی ہے، تاکہ اس حدیث

أو يترك والمتواتر لا يبحث فيه عن رواته بل يجب العمل به من غير بحث لافادة علم اليقين و ان ورد عن غير الابرار بل عن الكفار و أراد بما ذكران المتواتر لا يبحث فيه عن رواته وصفاتهم على الوجه الذى يجرى فى اخبار الآحاد و هذا لا ينافى البحث عن رواته اجمالاً من جهة بلوغهم فى الكثرة الى حد يمنع تواطؤهم على الكذب فيه أو حصوله منهم بطريق الاتفاق والمراد بالاتفاق وقوع الكذب منهم من غير تشاور سواء كان عمدا أو خطأً وكذلك البحث عن القرائن المحتفة به لا سيما ان كان العدد غير كثير جدا . . . . ومما يدل على ان المتواتر ليس من مباحث علم الاسنادٌ انه لا يكون له الا فى النادر جدا اسناد على الوجه المالوف فى رواية أخبار الآحاد ولذلك ترى علماء الاصول يقسمون خبر الواحد الى قسمين مسندٍ و مرسلٍ ولا يتعرضون الى تقسيم المتواتر الى ذلك فان اتفق للمتواتر

پر عمل کیا جا سکے یا اس کو ترک کیا جا سکے، جبکہ متواتر کے راویوں کے بارے میں بحث نہیں کی جاتی، بلکہ بغیر بحث کے ہی اس پر عمل واجب ہوتا ہے کیونکہ اس سے علمِ یقین حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ غیر صالح لوگ تو کجا کفار ہی سے ملا ہو۔ یہ جو کہا کہ متواتر کے راویوں اور ان کی صفات سے بحث نہیں کی جاتی تو اس سے مراد اس طور پر بحث ہے جس کو اخبار آحاد میں اختیار کیا جاتا ہے اور یہ بات متواتر کے راویوں کے بارے میں اجمالی بحث مثلاً ان کا کثرت کی اس حد کو پہنچنا کہ جو ان کے کذب پر ایکا کرلے یا ان ہی سے اتفاقیہ اس کے حصول سے مانع ہو اور اتفاقیہ سے مراد ان کی باہمی مشاورت کے بغیر ان سے وقوعِ کذب ہے۔ خواہ وقوع کذب عمداً ہو یا خطا سے ہو۔ یہی معاملہ ان قرائن کی بحث کا ہے جو متواتر روایت کو گھیرے ہوئے ہوں۔ خصوصاً اس وقت جبکہ راویوں کی تعداد بہت زیادہ نہ ہو۔ . . . . علم الاسناد کے مباحث میں متواتر کے نہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کے لیے سوائے نادراً اس طور پر اسناد نہیں ہوتی جس طور پر اخبار آحاد کی روایت میں ہوتی ہے۔ اسی لیے تو تم دیکھتے ہو کہ علماءِ اصول خبرِ واحد کی تو مسند اور مرسل کی طرف تقسیم کرتے ہیں جبکہ متواتر کی ایسی تقسیم سے کوئی تعرض نہیں کرتے۔ اگر متواتر کے لیے کوئی سند مل جائے تو اس کے رجال کے

اسناد لم يبحث في احوال رجاله البحث الذي يجري في احوال الاسانيد التي تروي بها الآحاد هذا اذا ثبت تواتره لان الاسناد الخاص يكون مستغني عنه وان كان لا يخلو عن الفائدة ...

حالات سے ایسی بحث نہیں کیجاتی جیسی کہ اخبار آحاد کی اسانید کے احوال کی کیجاتی ہے۔ یہ اس وقت ہے جب روایت کا تواتر ثابت ہو، کیونکہ اس وقت اسنادِ خاص کی ضرورت نہیں ہوتی، اگرچہ وہ فائدے سے خالی بھی نہ ہو۔

قال ابن الحزم في كتاب الاحكام: فصل و قد يرد خبر مرسل الا ان الاجماع قد صح بما فيه متيقنا منقولا جيلا فجيلا فان كان هذا علمنا انه منقول نقل كافة كنقل القرآن فاستغني عن ذكر السند فيه و كان ورود ذلك المرسل و عدم وروده سواء و لا فرق و ذلك نحو لا وصية لوارث وكثير من اعلام نبوته صلى الله عليه وسلم وان كان قوم قد رووها باسانيد صحاح فهي منقولة نقل الكافة

(توجیہ النظر ص ۴۹-۵۰)

کتاب الاحکام میں ابن حزم نے کہا: فصل کبھی خبر و روایت مرسل ملتی ہے، البتہ اسکے مضمون پر اجماع تیقن اور جماعت از جماعت منقول ہونے کی حالت میں صحیح ہوتا ہے۔ جب ایسی حالت ہو تو ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ نقل قرآن کی طرح پورے طبقے سے منقول ہے، لہٰذا یہ سند کے ذکر سے مستغنی ہوگی اور مرسل کا ورود اور عدم ورود برابر ہے ورود دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ اس کی مثال ہیں لاوصیۃ لوارث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بہت سی علامات ہیں اور اگرچہ بعض لوگوں نے ان کی صحیح اسانید ذکر کی ہیں، لیکن یہ طبقے کی نقل سے منقول ہیں۔

سابقہ عبارات سے یہ نتیجہ نکالنا کہ سنّت و حدیث میں متواتر نہیں ہیں غلط ہے

علامہ جزائری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد وقع هنا من الابهام والايهام في العبارات ما قد ينفر المبتدي فانه ربما توهم منها أنه ليس في السنة

ان مذکورہ بالا عبارات میں ابہام و ایہام واقع ہوا ہے جو مبتدی کے لیے مضر ہے، کیونکہ وہ لبسا اوقات یہ خیال کرتا ہے کہ سنت میں متواتر نہیں ہے

متواتر مع ان ما تواتر منها سواء كان من جهة اللفظ أو من جهة المعنى كثير يعسر احصاؤه غير ان الائمة المتعرضين لضبط السنة لم يتعرضوا لانه ليس من مباحثهم

حالانکہ متواتر خواہ لفظی ہو یا معنوی حدیث میں اتنی کثرت سے ہے کہ اس کا شمار بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بات ہے کہ وہ ائمہ جو سنت کو ضبط کرنے میں مشغول رہے انہوں نے تواتر سے تعرض نہیں کیا، کیونکہ یہ ان کے مباحث میں شامل نہ تھا۔

والخلاف المذكور إنما وقع في احاديث ذكرت في كتب السنة ولها اسانيد شتى اتفقت لها لفرط العناية بها والا فالمتواتر يعسر ايراد اسناد له على قواعد المحدثين فضلا عن اسانيد وذلك ان الاسناد انما يعرض في اخبار الآحاد لما يعرض فيها عن الشك - واذا ترددت فيما قلنا فارجع الى نفسك وانظر هل يمكنك ان تورد اسنادا لما علمته وتيقنته من الامور المتواترة التي لا تحصى ولو كانت قريبة العهد بك وانما ذكرنا ذلك مع ظهوره لانه قد يكون من شدة الظهور الخفاء

مذکورہ اختلاف ان احادیث کے بارے میں واقع ہوا ہے جو کتبِ سنت میں ذکر کی گئی ہیں اور ان کے لیے مختلف اسانید ہیں جو ان کی خاطر بڑا اہتمام کیے جانے کی بنا پر حاصل ہوئی ہیں، ورنہ تو متواتر کے لیے محدثین کے قواعد کے مطابق ایک سند کا ملنا بھی دشوار ہے۔ کجا کہ بہت سی اسناد۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسناد کی حرص تو خبرِ آحاد میں کی جاتی ہے کہ جن میں شک عارض ہوتا ہے۔ یہ جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر تمہیں اس میں تردد ہو تو اپنے ہی آپ سے رجوع کرکے دیکھو کہ کیا تمہارے لیے ممکن ہے کہ تم ان بے شمار امورِ متواترہ کی سند دے سکو جن پر تمہیں یقین حاصل ہوا ہے اگرچہ وہ امور تمہارے قریبی زمانے ہی کے ہوں۔ اس بات کے ظاہر ہونے کے باوجود ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ کبھی شدتِ ظہور کی وجہ سے خفا پیدا ہو جاتا ہے۔

قال الامام الحافظ عثمان بن الصلاح في مقدمته المتعلقة بعلوم الحديث:

امام حافظ عثمان بن الصلاح نے علومِ حدیث سے متعلق اپنے مقدمہ میں کہا:

ومن المشهور المتواتر الذي يذكره اهل الفقه و اصوله واهل الحديث

اور مشہور کی ایک قسم متواتر ہے جس کو فقہ اور اصولِ فقہ والے ذکر کرتے ہیں جبکہ اہلِ حدیث اس کو

لا يذكر ونه الا باسمه الخاص المشعر بمعناه الخاص و ان كان الخطيب الحافظ قد ذكره ففي كلامه ما يشعر بانه اتبع فيه غير اهل الحديث ولعل ذلك لكونه لا تشمله صناعتهم ولا يكاد يوجد في رواياتهم فانه عبارة عن الخبر الذى ينقله من يحصل العلم بصدقه ضرورةً ولا بد في اسناده من استمرار هذا الشرط في رواته من أوله الى منتهاه - ومن سئل عن ابراز مثالٍ لذلك فيما يروى من اهل الحديث اعياه تطلبه وحديث انّما الاعمال بالنيات ليس من ذلك السبيل وان نقله عدد التواتر و زيادة لان ذلك طرأ عليه في وسط اسناده ولم يوجد في اوائله على ما سبق ذكره -

ذکر نہیں کرتے، مگر اس کے خاص نام سے جس سے اس کا خاص معنیٰ معلوم ہوتا ہے اور اگرچہ خطیب حافظ نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کے کلام میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں انہوں نے اہلِ حدیث کے علاوہ کی پیروی کی ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اہلِ حدیث کے فن میں تواتر شامل نہیں ہے اور ان کی روایات میں اس کا وجود نہیں ملتا، کیونکہ متواتر عبارت ہے اس خبر سے جس کو اتنی تعداد نقل کرے کہ اس خبر کے صدق کا علم ضرورۃً حاصل ہو اور اس خبر کی روایت میں اسناد کی یہ شرط اول سے آخر تک مستمر رہے۔ اسی لیے اگر کسی سے اہلِ حدیث کی روایات میں سے اس کی مثال مانگی جائے تو اس کی طلب و تلاش اس کو تھکا دے گی اور حدیث انّما الاعمال بالنیات تواتر کے قبیل سے نہیں ہے۔ اگرچہ اس کو عددِ تواتر سے زائد نے نقل کیا ہے، کیونکہ اتنی تعداد وسطِ اسناد میں طاری ہوئی ہے اور اول اسناد میں نہیں پائی جاتی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

مستفتیین و مستفسرین کے اسماء گرامی خود ان کی ہی مصلحت کے پیشِ نظر محذوف ہیں

دارالافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

-: مجیب و مفتی :-

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد زید مجدہم، مدرس و نائب مفتی جامعہ مدنیہ

سوال: اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کام کرنا ضروری ہے اس سلسلہ میں انفرادی طور پر سعی و کوشش کے مقابلہ میں جماعتی حیثیت سے کام زیادہ مفید ہوتا ہے۔ ہمارے گرد و پیش میں بہت سی جماعتیں ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلامی انقلاب یا اجتماعی اصلاح کی کوشش کرنے کی دعویدار ہیں۔ ہم کس جماعت کو صحیح اور حق پر سمجھ کر اس کے ساتھ شریک ہوں؟ کیا شریعت نے اس بارے میں کوئی معیار دیا ہے کہ ہم اس معیار پر پرکھ کر کسی جماعت کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کو پہچان سکیں؟

الجواب باسم ملهم الصواب حامداً و مصلیاً

علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں ایک واقعہ نقل کیا ہے:

قال ابن المبارك لما بلغ ابا حنيفة قتل ابراهيم الصائغ بكى حتى ظننا انه سيموت فخلوت به فقال كان والله رجلا عاقلا ولقد كنت اخاف عليه هذا الامر قلت وكيف كان سببه قال كان يقدم ويسألني و كان شديد البذل لنفسه في طاعة الله و كان شديد الورع وكنت

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ابراہیم صائغ رحمہ اللہ کے قتل کی خبر پہنچی تو اتنا روئے کہ ہم کو یہ خیال ہوا کہ آپ عنقریب مر جائیں گے۔ میں آپ کے ساتھ تنہائی میں تھا تو فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ (ابراہیم) عقلمند شخص تھے۔ مجھے ان پر اس بات کا ڈر تھا۔ میں نے پوچھا اسکا سبب کیا ہوا؟ فرمایا کہ وہ میرے پاس آتے تھے اور سوالات کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت میں وہ اپنی جان پر سخت مجاہدہ کرنے والے تھے اور انتہائی پرہیزگار تھے۔ کبھی میں انکے سامنے (کھانے کی) کوئی چیز رکھتا

ربما قدمت اليه الشئ فسألني
عنه ولا يرضاه ولا يذوقه وربما
رضيه فأكله فسألني عن الامر
بالمعروف والنهي عن المنكر الى
ان اتفقنا على انه فريضة من الله
تعالى فقال لى مديديك حتى ابايعك
فاظلمت الدنيا بيني و بينه فقلت
وَلِمَ قال دعاني الى حق من
حقوق الله تعالى فامتنعت
عليه وقلت له ان قام به رجل
وحده قتل و لم يصلح للناس
امر ولكن ان وجد عليه اعوانا
صالحين و رجلا يرأس عليهم
مأمونا على دين الله لا يحول
قال و كان يقتضني ذلك كلما قدم
على تقاضي الغريم الملح
كلما قدم على تقاضاني فاقول
له هذا امر لا يصلح بواحد
ما اطاقته الانبياء حتى عقدت
عليه من السماء و هذه فريضة
ليست كسائر الفرائض لان سائر
فرائض يقوم بها الرجل وحده
و هذا متى امر به الرجل

تھا تو وہ مجھ سے اس کے بارے میں پوچھتے تھے اور مطمئن نہ
ہوتے تھے اور اس کو نہ چکھتے تھے اور کبھی مطمئن ہو جاتے تھے
اور کھا لیتے تھے ۔ انہوں نے مجھ سے امر بالمعروف اور نہی
عن المنکر کے بارے میں پوچھا یہاں تک کہ ہمارا اس بات
پر اتفاق ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ فریضہ
ہے تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ اپنے ہاتھ بڑھایئے تاکہ
میں بیعت کروں تو میرے اور ان کے درمیان دُنیا
اندھیر ہو گئی ۔ ابن المبارکؒ کہتے ہیں کہ مَیں نے پوچھا وہ
کیوں ؟ انھوں نے فرمایا کہ انھوں نے مجھے اللہ تعالیٰ
کے حقوق میں سے ایک حق کی طرف بلایا اور میں اس سے
رکا ۔ مَیں نے ان سے کہا کہ اس حق کو ادا کرنے کے لیے
کوئی شخص تنہا کھڑا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا اور لوگوں
کا کام درست نہ ہوگا ، البتہ اگر اس کام کی سرانجامی
میں کچھ اچھے صالح لوگ مددگار بن جائیں اور ان لوگوں کا
سربراہ کوئی ایسا شخص ہو جس کے دین پر امن ہو اور
بدلنے کا اندیشہ نہ ہو ۔ فرمایا کہ جب وہ میرے پاس
آتے مجھ سے اس کا تقاضا کرتے ایسا سخت تقاضا
جیسے کوئی قرض خواہ اصرار و تشدد کے ساتھ قرضدار سے
تقاضا کرتا ہو ۔ جب بھی وہ میرے پاس آتے مجھ سے اسی کا
تقاضا کرتے اور میں ان سے کہتا کہ یہ تنہا کسی آدمی
کے بس کی بات نہیں ہے ۔ پیغمبروں کے لیے بھی یہ صورتحال
اسی وقت قابلِ برداشت ہوئی جب آسمان پر انکے لیے
عہد باندھا گیا اور یہ ایک فرض ہے لیکن دیگر فرائض کیطرح

وحدہ اشالہ بدمہ و عرض نفسہ للقتل فاخاف علیہ ان یعین علی قتل نفسہ واذا قتل الرجل لم یجترئ غیرہ ان یعرض نفسہ

(ج ۲ - بحث الامر بالمعروف والنہی عن المنکر)

نہیں، کیونکہ دوسرے فرائض کو ایک شخص تنہا بھی پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے جبکہ یہ فرض ایسا ہے کہ جب کوئی شخص تنہا اس کے لیے اٹھے گا تو اپنے خون کو بے قیمت رائیگاں کرے گا اور اپنے آپ کو خود قتل کے لیے پیش کریگا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ وہ خود اپنے قتل پر مدد کرے گا اور جب یہ قتل کر دیا جائے گا تو کوئی دوسرا اپنے آپ کو آگے لانے کی جرأت نہیں کرے گا۔

عزیمت سے پُر اس واقعہ میں حکومتی یا اجتماعی اصلاح کے لیے اجتماعی جدّوجہد کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سے سبق ہیں جن میں سے ہمارے موضوع سے متعلق دو ہدایات ہیں :

۱: تحریک کا سربراہ ایسا شخص ہو جس کے دین پر امن ہو اور بدلنے کا اندیشہ نہ ہو۔

۲: اعوان و انصار یعنی تحریک کے کارکن صالح و دیندار افراد ہوں۔

شرط اوّل کے بارے میں مزید وضاحت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی اس شہادت میں ملتی ہے جو انہوں نے حضرت زید شہید رحمہ اللہ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے دی۔

شاھدت زید بن علی کما شاھدت اھلہ فما رائیت فی زمانہ افقہ منہ ولا اعلم ولا اسرع جوابا ولا ابین قولا الی ان قال لقد کان منقطع القرین۔

مَیں نے زیدؒ بن علی کو اسی طرح سے دیکھا تھا جس طرح ان کے خاندان کے دوسرے افراد کو دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ مَیں نے ان کے زمانے میں ان سے زیادہ فقیہ اور عالم اور ان جیسا حاضر جواب اور واضح گفتگو کرنے والا کسی کو نہیں پایا۔ اس زمانے میں ان کے جوڑ کا آدمی کوئی نہ تھا۔

(امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی ص ۱۳۷)

معلوم ہوا کہ وہ شخص جس کے دین کے بارے میں امن ہو اس میں اوراوصاف کے ساتھ ساتھ علم و فقہ کا وافر وصف موجود ہو۔ اور فقہ کا مطلب جو خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ یہ ہے معرفۃ النفس مالھا وما علیھا (نفس کا اپنے فائدے اور نقصان والے امور کو پہچاننا) اس میں علمِ ظاہر اور تزکیۂ باطن دونوں شامل ہیں۔

عن عمر بن خطاب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انه تصیب اُمتی فی آخر الزمان من سلطانهم شدائد لا ینجو منه الا رجل عرف دین الله فجاهد علیه بلسانه ویده وقلبه فذلك الذی سبقت له السوابق ورجل عرف دین الله فصدق به ورجل عرف دین الله فسکت علیه فان رأی من یعمل الخیر احبه علیه وان رأی من یعمل بباطل ابغضه علیه فذلك ینجو علی البطانه کله۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت کو آخری زمانہ میں اپنے سلطان کی جانب سے سخت مصائب (دینی و دنیوی) پہنچیں گے۔ اس سے نجات نہیں پائے گا مگر وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر اپنی زبان اور قوت و قدرت (اگر ہو) اور اپنے دل سے جہاد کیا۔ پس یہ شخص ہے جس کو آگے کے درجے حاصل ہو گئے اور ایک وہ شخص ہے جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس کی تصدیق کی اور ایک وہ شخص جس نے اللہ کے دین کو پہچانا اور اس پر خاموش رہا۔ پھر کسی شخص کو نیک کام کرتے دیکھا تو اس کو دوست رکھا اور جس کو باطل کام کرتے دیکھا تو اس پر اس سے بغض رکھا۔ تو یہ اپنے چھپانے پر نجات پائے گا۔

ملّا علی قاری رحمہ اللہ اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں :

والحاصل انه لا یتخلص فی زمان ذلك السلطان المشابه بالشیطان الا من جمع بین العلم والعمل والکمال والتکمیل فعرف دین الله اولا بتفصیله من الاصول والفروع وعمل لنفسه علی ما یقتضیه الامر المشروع ۔

حاصل یہ ہے کہ اس شیطان نما سلطان سے صرف وہی شخص نجات پائے گا جو علم و عمل اور کمال و تکمیل کا جامع ہو۔ اللہ کے دین کے اصول و فروع کو تفصیل سے حاصل کرے اور شریعت کے مطابق عمل کرے۔

اس حدیث مبارکہ سے آخری زمانہ میں بھی (جبکہ علم دین کے حاملین بہت کم ہو چکے ہوں گے) ظالم سلطان کے

مقابلے میں قولی، عملی اور قلبی جہاد کرنے والے کے لیے علم و عمل کا جامع ہونا شرط قرار دیا اور علم سے اصول و فروع کا تفصیلی علم مراد ہے اور عمل ظاہر و باطن دونوں کو محیط ہے۔ اس حدیث سے جو مضمون حاصل ہوتا ہے اسی کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اوپر والے واقعہ میں ذکر کیا ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی کہ جو شخص کسی دینی تحریک کا علمبردار ہو خاص طور سے جس کا نصب العین اجتماعی انقلاب برپا کرنا ہو یا بالفاظِ دیگر جو اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے کوشاں ہو اس کے لیے یہ شرط بنیادی حیثیت رکھتی ہے کہ وہ دین کے اصول و فروع کے علم کا حامل ہو اور ان علومِ نبوّت کو کسی ماہر سے سیکھا ہو۔ اس نے اپنے نفس و باطن کا تزکیہ کسی مردِ کامل کی صحبت میں رہ کر کرایا ہو اور اس کا عمل شریعت کیمطابق ہوا اور اس کی سیرت و اخلاق اسوۂ نبوی میں ڈھلے ہوئے ہوں اور علمائے ربانیین اسکے ایمان و عمل پر امن و اطمینان کا اظہار کرتے ہوں۔

جس جماعت کے امیر و قائد میں یہ شرط پائی جاتی ہے اس جماعت میں شرکت کی جا سکتی ہے، بلکہ کرنی چاہیئے اور جس جماعت کے امیر و قائد میں یہ شرط مفقود ہو تو جو خود راہِ راست پر نہ ہو وہ دوسروں کو کیا چلائے گا، بلکہ ایسے لوگ تو اس حدیث کے مصداق ہیں :

عن عبد اللّٰہ بن عمرو قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو کھینچ کر نہیں اٹھاتے کہ بندوں کے سینوں میں سے اس کو کھینچ لیں، بلکہ علماء کو اٹھا لینے کے ساتھ علم کو اٹھاتے ہیں حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی عالم باقی نہ چھوڑینگے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے اور ان سے مسائل پوچھے جائیں گے تو یہ بغیر علم کے فتویٰ دینگے اور اس طرح خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھیں آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ عبد الواحد غفرلہٗ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

قدرت کی نیرنگیاں

تاریخ اسلام میں بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جو عبرت انگیز بھی ہیں اور سبق آموز بھی۔ جنہیں پڑھ کر چشمِ عبرت حیران اور عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے اور بے ساختہ قدرتِ خداوندی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ چند واقعات نذرِ قارئین کیے جاتے ہیں :

سعادت و شقاوت

بنی اسرائیل میں موسیٰ نام کے دو۲ شخص گزرے ہیں :

(۱) موسیٰ بن عمران ، ان کی پرورش دشمن خدا فرعون کے گھر ہوئی، مگر یہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر بنے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا اور ان کی بدولت بنی اسرائیل کو فرعون اور اس کی قوم کے ظلم و ستم سے نجات ملی۔ علیٰ نبیّنا و علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۲) موسیٰ بن ظفر۔ بقول شیخ احمد الصاویؒ کے یہ شخص ولد الزنا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو اس کی ماں قوم کے خوف سے اسے کسی پہاڑ پر ڈال گئی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ اس زمانے میں پیدا ہوا تھا جن دنوں فرعون نے بچوں کے قتل کر دیئے جانے کا حکم دے رکھا تھا۔ اس کی

---

[1] حاشیۃ الصاوی علی الجلالین ج ۱ ص۔ روح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴۳

والدہ کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ فرعونی سپاہی اسے قتل کر دیں گے تو وہ اسے جنگل کے ایک غار میں رکھ کر اُوپر سے غار کا دہانہ بند کر آئی۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو اس کی حفاظت اور غذا دینے پر مامور فرمایا۔ وہ اپنی ایک انگلی پر شہد اور ایک پر مکھن اور ایک پر دودھ لاتے اور اس کو چٹا دیتے۔ یہاں تک کہ یہ اسی غار میں پل کر جوان ہوگیا۔ لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ خود کفر میں مبتلا ہوا اور بنی اسرائیلیوں کو اپنے بنائے ہوئے بچھڑے کی عبادت میں لگا کر ان کو بھی گمراہ کیا۔ اسی کو کسی شاعر نے دو شعروں میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

اِذَا الْمَرْءُ لم یُخْلَقْ سَعِیْدًا تَحَیَّرَتْ　　عُقُوْلُ مُرَبِّیْهِ وَخَابَ الْمُؤَمَّلُ

فَمُوْسَی الَّذِیْ رَبَّاهُ جِبْرِیْلُ کَافِرٌ　　وَمُوْسَی الَّذِیْ رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلُ[1]

جب کوئی شخص اصل پیدائش میں نیک بخت نہ ہو تو اس کے پرورش کرنے والوں کی عقلیں بھی حیران رہ جاتی ہیں اور اس سے جو امّید باندھی گئی تھی وہ بے کار چلی جاتی ہے۔ دیکھو جس موسیٰ کو جبریل نے پالا تھا وہ تو کافر ہوگیا اور جس موسیٰ کو فرعون لعین نے پالا تھا وہ خدا کا رسول بن گیا۔

② پیراہنِ یوسف کی خوشبو

قرآنِ پاک میں جناب یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ میں جہاں اور کئی عبرتیں اور عجائبات ہیں ایک عجیب بات یہ ہے کہ برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا کر کے پاس ہی ایک کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اس کنویں میں آپ تین دن تک رہے، لیکن جناب یعقوب علیہ السلام کو ان کا پتہ نہ چلا۔ حتیٰ کہ آپ کو ایک قافلہ مصر لے گیا۔ مصر میں تقریبًا چالیس سال رہے۔ اس چالیس سالہ دَور میں بھی اُنہیں کوئی اطلاع نہ ہوئی، لیکن جب برادرانِ یوسف حضرت یوسف علیہ السلام سے تعارف ہو جانے کے بعد ان کے حکم سے ان کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے جانے کے لیے مصر سے نکلتے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود دو ڈھائی سو میل کی مسافت کے اس قمیص کی خوشبو کو محسوس فرما لیتے ہیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے :

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ

---

[1] رُوح المعانی ج ۱۶ ص ۲۴۴

تُفَنِّدُوْنِ ۰ ۱۲ : ۹۴

اور جب قافلہ چلا تو ان کے والد نے کہا کہ اگر تم مجھے بڑھاپے میں بہکی بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یُوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

اس واقعہ کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (م ۶۹۱ھ) نے گلستان میں اس طرح نظم کیا ہے۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند — کہ اے روشن گہر پیر خردمند

ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی — چرا در چاہِ کنعانش ندیدی

بگفت احوالِ ما برق جہان ست — دمے پیدا و دیگر دم نہان ست

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

اگر دُرویش بر حالے بماندے — سرِ دست از دو عالم بر فشاندے

ایک شخص نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اے روشن ذات عقل مند پیر یہ کیا بات تھی کہ مصر سے یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو آپ نے سونگھ لی، لیکن کنعان کے کنویں میں (جو آپ سے زیادہ دور نہیں تھا) آپ یوسف علیہ السلام کو نہ دیکھ سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ہمارے احوال کوندنے والی بجلی کی طرح ہیں۔ ایک سانس میں ظاہر اور دوسرے سانس میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہم اونچے بالاخانے پر بیٹھتے ہیں (یعنی مقاماتِ عالیہ حاصل کر لیتے ہیں اور عرش تک کی خبر لے آتے ہیں) اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ پاتے۔ (عروج ہوتا ہے تو ایسا، نزول ہوتا ہے تو ایسا) فقیر اگر ایک حالت پر باقی رہتا تو دونوں عالم کو ترک کر دیتا۔

اس واقعہ سے درج ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں :

(۱) غیب خاصۂ خداوندی ہے جو اس نے نہ کسی فرشتے کو دیا ہے نہ کسی نبی کو۔ اگر انبیاء کرام غیب دان ہوتے تو حضرت یعقوب علیہ السلام چالیس برس تک بیٹے کی جدائی میں آنسو نہ بہاتے۔

(۲) معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے۔ وہ جب چاہتے ہیں نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔ نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنی مرضی سے جب چاہے صادر کرلے۔

(۳) ہر آسان چیز زمانۂ محنت و مشقت میں مشکل بن جاتی ہے اور ہر مشکل چیز زمانۂ راحت و آرام

میں آسان بن جاتی ہے۔

③ ہد ہد کی تیز نظری

مشہور ہے کہ ہد ہد کی نظر اس قدر تیز ہے کہ وہ پانی کو زمین کی تہہ میں اس طرح دیکھ لیتا ہے جس طرح انسان شیشہ کی ایک طرف سے دوسری طرف دیکھتا ہے، لیکن انتہائی حیران کن بات ہے کہ ہد ہد کو زمین پر پڑا ہوا وہ جال نظر نہیں آتا جس سے اسے شکار کیا جاتا ہے۔

علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

رُوِیَ اَنَّ نَافِعَ بْنَ الْاَزْرَقِ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ یَذْکُرُ شَانَ الْهُدْهُدِ فَقَالَ لَهٗ قِفْ یَا وَقَّافُ کَیْفَ یَرَی الْهُدْهُدُ بَاطِنَ الْاَرْضِ وَ هُوَ لَا یَرَی الْفَخَّ حِیْنَ یَقَعُ فِیْهِ؟ فَقَالَ لَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ: اِذَا جَاءَ الْقَدَرُ عَمِیَ الْبَصَرُ [1]

مروی ہے کہ نافع بن ارزق نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو ہد ہد کا تذکرہ کرتے ہوئے سُنا تو کہنے لگا کہ اے وقاف ذرا ٹھہریئے اور یہ تو بتایئے کہ ہد ہد زمین کی تہہ میں کیونکر دیکھ لیتا ہے جبکہ اسے وہ جال نظر نہیں آتا جس میں وہ شکار ہو جاتا ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب تقدیر غالب آتی ہے تو آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔

④ قاضی ابوبکر بغدادیؒ کا عجیب واقعہ

حافظ ابنِ رجب حنبلیؒ (م ۷۹۵ھ) اپنی کتاب "ذیل طبقات الحنابلہ" میں قاضی ابوبکر بن محمد بن عبدالباقی بغدادی (بزاز انصاری م) کے حالات میں ان کا یہ بیان نقل کرتے ہیں:

"میں ایک زمانہ میں مکہ مکرمہ آکر پڑ گیا تھا، ان دنوں ایک مرتبہ بہت ہی سخت بھوک لگی۔ پاس میں کچھ تھا نہیں جس سے بھوک مٹاتا۔ اتفاق سے ایک ریشم کی تھیلی پڑی ہوئی مل گئی جس کا پُھندنا بھی ریشم کی ڈوری

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳ ص ۱۷۸

سے بندھا ہوا تھا۔ مَیں اسے اٹھا کر گھر لے آیا، اسے کھول کر دیکھا تو اس میں موتیوں کا ایسا نفیس و قیمتی ہار تھا کہ مَیں نے آج تک اس جیسا نہیں دیکھا تھا۔ مَیں باہر نکلا تو دیکھا ایک بوڑھا آدمی اسی کا اعلان کر رہا ہے، اس کے پاس ایک پھٹے پُرانے کپڑے میں پانچسو دینار تھے اور وہ یہ آواز لگا رہا تھا: "موتیوں کی تھیلی واپس کرنے والے کو یہ رقم انعام میں دی جائے گی"۔ مَیں نے دل میں کہا مَیں ضرورت مند اور بھُوکا ہوں کیوں نہ ان اشرفیوں کو لے کر کام میں لاؤں اور اس کو تھیلی واپس کر دوں۔

مَیں نے اس سے کہا، میرے پاس آیئے۔ مَیں اس کو لے کر گھر پہنچا۔ اس نے ہر چیز کی نشانی بتائی تھیلی کیسی ہے، پھُندنا کیسا ہے، موتی کس طرح کے ہیں اور کتنے ہیں اور یہ کہ جس دھاگے سے باندھا گیا ہے وہ کیسا ہے؟ علامت صحیح پا کر مَیں نے تھیلی نکال کر اسے دیدی۔ اس نے پانچسو دینار میرے آگے کر دیئے، مگر اس وقت میری عجیب حالت ہوئی۔ مَیں نے لینے سے انکار کر دیا، مَیں نے کہا یہ میرا فرض تھا کہ مَیں آپ کو لوٹاؤں۔ مَیں اس پر کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا! اُس نے کہا، یہ آپ کو لینے پڑیں گے اور بہت ہی اصرار کیا، لیکن میں تیار نہیں ہوا، آخر وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ اِدھر میرا قصّہ یہ ہوا کہ مَیں مجبور ہو کر مکہ سے نکلا اور بحری سفر شروع کر دیا۔ اتفاق سے راستے میں کشتی ٹوٹ گئی اور مسافر ڈوب گئے اور ان کا سامان ضائع ہو گیا تنہا ایک مَیں تھا جو کشتی کے اک ٹکڑے پر زندہ بچا رہا۔ عرصہ تک سمندر میں تیرتا رہا۔ مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ مَیں کہاں جا رہا ہوں۔ خدا خدا کر کے ایک جزیرے میں پہنچا، جہاں کچھ لوگ آباد تھے۔ مَیں ایک مسجد میں جا کر بیٹھ گیا۔ انھوں نے مجھے قرآن پڑھتے دیکھا تو جزیرہ کا کوئی شخص ایسا نہ بچا جس نے میرے پاس آکر یہ نہ کہا ہو کہ "آپ ہمیں قرآن پاک پڑھا دیجئے"۔ اس طرح مجھے ان لوگوں سے ڈھیروں مال حاصل ہوا۔

کچھ دن بعد مَیں نے اس مسجد میں قرآنِ پاک کے چند بوسیدہ اوراق رکھے ہوئے دیکھے۔ مَیں انھیں اٹھا کر پڑھنے لگا، انہوں نے پوچھا: آپ خوشنویسی بھی جانتے ہیں؟" مَیں نے کہا، جی ہاں۔ اُنہوں نے کہا "آپ ہمیں لکھنا اور سکھا دیجئے"۔ غرض وہ اپنے بچوں اور جوانوں کو لے کر آگئے اور مَیں انہیں سکھانے لگا۔ اس سے بھی مجھے بہت کافی مال و اسباب حاصل ہوا۔

ایک دن وہاں کے لوگوں نے مجھ سے کہا، ہمارے یہاں ایک یتیم بچی ہے اور اس کے پاس مال و متاع بھی کافی موجود ہے، ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس سے شادی کر لیں۔ مَیں نے منع کر دیا، لیکن وہ میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے ان کی بات ماننی پڑی۔ جب شبِ زفاف میں اسے لے کر میرے پاس آئے تو میں نظر اٹھا کر اسے

بقیہ بر ص ۶۳۔

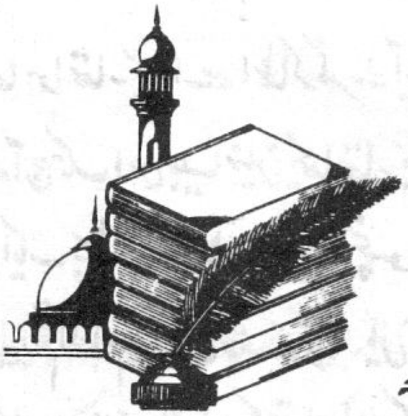

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : معالم العرفان (جلد نمبر ١٦)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتب : الحاج لعل دین ایم اے

صفحات : ٥٢٨

سائز : ٢٠ × ٢٦ / ٨

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ١٣٠ روپے

معالم العرفان کی متعدد جلدوں پر راقم کے قلم سے تبصرہ گزر چکا ہے۔ قارئین اسے ملاحظہ فرمالیں۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر معالم العرفان کی سولھویں جلد ہے۔ اس جلد میں درج ذیل نو سورتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے (١) سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (٢) سورۂ فتح (٣) سورۂ حجرات (٤) سورۂ ق (٥) سورۂ ذاریات (٦) سورۂ طور (٧) سورۂ نجم (٨) سورۂ قمر (٩) سورۂ رحمٰن۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ "معالم العرفان" حضرت صوفی صاحب کے درسی افادات کا نام ہے، لیکن ہم اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ درسی افادات دورِ حاضر کی ایک بہترین تفسیر ہیں جو موجودہ دور کے تقاضوں کو بڑی حد تک پورا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر تفسیروں کے مقابلہ میں باوجود گراں قیمت ہونے کے اس کی مانگ بڑھتی جا رہی ہے۔ اور علماء، طلباء اور عوام سب میں یکساں مقبول ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت صوفی صاحب کے ان افادات کو قبول فرما کر تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

عمدہ کتابت و طباعت اور ڈائی دار جلد کے ساتھ مزین انتہائی مناسب نرخ کے ساتھ تفسیر کی یہ سولھویں جلد مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

نام کتاب : خطبات سواتی (جلد دوم)

افادات : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مرتب : الحاج لعل دین ایم اے۔

صفحات : ٤١٦

سائز : ٢٠ × ٢٦

ناشر : مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت : ١١٠ روپے

ہماری طرف سے خطباتِ سواتی جلد اوّل پر تبصرہ شائع ہو چکا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب خطباتِ سواتی کی دوسری جلد ہے۔ اس جلد میں بھی وہی انداز ہے جو پہلی جلد میں تھا۔ دوسری جلد میں مختلف موضوعات سے متعلق ٢٩ خطبات کو جمع کیا گیا ہے۔ جن میں سے ہر خطبہ انتہائی قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔ ان خطبات میں جہاں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر خطبہ کے اخیر میں بہت سے سوالوں کے جوابات ہیں وہیں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ حضرت صوفی صاحب نے بہت سی تحریکات کا تذکرہ کر کے ان پر تبصرہ اور بہت سے بزرگوں اور مقتدر ہستیوں کا تذکرہ کر کے ان کے لیے مغفرت و رفع درجات کی دعا فرمائی ہے۔ اس لحاظ سے یہ خطبات علوم و معرفت، رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت کے بھی حامل ہو گئے ہیں جو علما اور عوام سب ہی کی ضرورت کی چیز ہے۔ اور وہ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ خطبات کا یہ سلسلہ چلتا رہے، تاکہ موجودہ نسلوں کے ساتھ آئندہ نسلوں کے لیے بھی راہنمائی کا سبب بنیں۔

نام کتاب : ماہنامہ "نصرۃ العلوم" گوجرانوالہ

شمارہ : ٧/ جمادی الاخری ١٤١٦ھ / نومبر ١٩٩٥ء

جلد : ٧/

بانی : حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم

مدیر : محمد فیاض خان سواتی

صفحات : ۴۸

قیمت : فی پرچہ ۱۰ روپے سالانہ ۱۲۰ روپے

ناشر : مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ پاکستان۔

ماہنامہ "نصرۃ العلوم" مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کا ترجمان ہے جو حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم کی زیرِ سرپرستی نکلنا شروع ہوا ہے۔ ہمارے پیشِ نظر ماہنامہ نصرۃ العلوم کا پہلا شمارہ ہے جس میں محسنِ اہلسنّت شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر اور ترجمان القرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہما کے وقیع مضامین شامل ہیں۔

کسی بھی رسالہ کی خوبی اس میں شائع ہونے والے مضامین اور لکھنے والے حضرات کی خوبی کے ساتھ وابستہ ہے ماہنامہ "نصرۃ العلوم" کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس میں شائع ہونے والے مضامین اور لکھنے والے بزرگ دونوں ہی خوب ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ علم و ادب کی روشنی لیے ہوئے مسلک اہلسنّت کا صحیح ترجمان ثابت ہوگا۔

قارئین سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اس رسالے میں ضرور دلچسپی لیں خود بھی ممبر بنیں اور دوسروں کو ممبر بننے کی دعوت دیں۔

نام کتاب : خطباتِ دین پوری (جلد سوم)

افادات : حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری رحمۃ اللہ علیہ

مرتب : قاری جمیل الرحمٰن اختر

صفحات : ۳۷۶

ناشر : انجمن خدام الاسلام باغبانپورہ لاہور

قیمت : ۱۴۰ روپے

خطباتِ دینپوری جلد اوّل و دوم پر گذشتہ شماروں میں تبصرہ گزر چکا ہے۔ ہماری جو رائے ان جلدوں کے متعلق تھی وہی رائے تیسری جلد کے متعلق ہے۔ حسبِ سابق اس جلد میں بھی حضرت دینپوری رحمہ اللہ کے دس خطبات کو جمع کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) اخلاص نیت (۲) عظمتِ قرآن (۳) صحابہ کرام کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۴) شادی و نکاح

۵) فاروق وحسین رضی اللہ عنہما (۶) موت وحقوق والدین (۷) فکرِ آخرت (۸) آخرت کی کہانی انسان کی زبانی (۹) جہاد فی سبیل اللہ (۱۰) کلمۂ طیبہ۔

شروع کتاب میں مولانا عبدالکریم ندیم کے قلم سے لکھا ہوا وقیع مقدمہ بھی درج ہے۔ جس میں مولانا نے حضرت دینپوریؒ کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کے بہت سے ایمان افروز واقعات ذکر کیے ہیں جن کو پڑھ کر حضرت دینپوریؒ کی عظمت اور ان کی عنداللہ مقبولیت کا پتہ چلتا ہے۔

خطبات کی یہ تیسری جلد بھی اپنی ظاہری ومعنوی خوبیوں کے ساتھ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ (ن - ا)

بقیہ: حاصلِ مطالعہ

دیکھنے لگا۔ مَیں نے اس کی گردن میں بعینہٖ وہی ہار لٹکا ہوا دیکھا تو بھونچکا رہ گیا۔ اب میں صرف اس ہار کو دیکھ رہا تھا۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا: "جناب آپ نے اس یتیم بچی کا دل توڑ دیا۔ آپ اسے دیکھنے کے بجائے ہار دیکھ رہے ہیں"۔

مَیں نے انہیں ہار کا قصّہ سنایا تو سب نے ایک ساتھ نعرہ لگایا اور اتنی زور سے اللہ اکبر کہا کہ تمام جزیرے والوں تک وہ آواز پہنچی۔ مَیں نے کہا، کیا ہوا؟ انہوں نے کہا، جن بڑے میاں نے تم سے ہار لیا تھا وہ اسی بچی کے باپ تھے۔ وہ کہا کرتے تھے مجھے دنیا میں صرف ایک سچا اور پکا مسلمان ملا اور وہ، وہ تھا جس نے مجھے ہار لوٹا کر دیا۔ وہ خدا سے دعا کرتے تھے، "خدایا مجھے اس سے پھر ملا دے تاکہ میں اسے اپنی بیٹی بیاہ دوں"۔ اور اب وہ آپ کو مل گئی۔

میں ایک مدت تک اس کے ساتھ رہا، اللہ نے مجھے اس سے دو بیٹے بھی دیئے۔ پھر اس کا انتقال ہوگیا اور ہار کا وارث مَیں اور میرے دونوں لڑکے ہوئے۔ کچھ دنوں بعد بچے بھی اللہ کو پیارے ہوگئے اور ہار تنہا میرے قبضے میں آیا۔ مَیں نے اسے ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا اور یہ جو مال ومتاع تم کو نظر آرہا ہے یہ سب اسی رقم کا باقی ماندہ حصّہ ہے۔ (۱)

(۱) ذیل طبقات الحنابلۃ ج ۱ ص: ۱۹۶